ایک نئ داستان
تحریر :آمنہ طارق

کشمیر کی وادیوں میں بنی اک داستاں

رشتوں کی

جنگ کی

محبت کی

انتقام کی

جیت اور ہار کی

جذبے تو ایک جیسے ہوتے ہیں

بس یہ اپنے اپنے ہوتے ہیں

کچھ دیکھے کچھ ان دیکھے ہوتے ہیں

کبھی بے وفا بھی تو سچے ہوتے ہیں

کبھی چہرے پر معصوم انا کا خول لئے ہوتے ہیں

سچ ہے کب سب اپنے ہوتے ہیں

سونے جیسی چمک چاندی جیسا پن

کبھی کھرے اور کبھی کھوٹے ہوتے ہیں

لوگ بھی کیسے کیسے ہوتے ہیں

جذبے تو سب ایک جیسے ہوتے ہیں

بس یہ اپنے ہوتے ہیں

☆

سردیوں کی رات گرج چمک کے ساتھ تیز موسلا دھار بارش، اس طوفانی موسم نے سب کو گھروں کے اندر رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔۔
بارش میں تیزی آگئی تھی کچی سڑکیں پانی سے بھر گئیں تھی اندھیری رات میں بجلی کی کڑک اور بھی خوفناک منظر پیش کر رہی تھی۔۔۔
کشمیر کے علاقے کا وہ حصہ پہلے ہی سے بدتر حال میں تھا بارشوں کی وجہ سے حالت اور بھی خستہ ہو جاتی۔۔
گلیاں پانی سے بھر گئیں تھی ایسے میں کوئی بھی گھر سے نکلنے کی غلطی نہیں کر رہا تھا۔۔

کڑ کڑ کڑ۔۔۔۔۔۔۔۔ بجلی چمکنے کی روشنی دکان کے پاس فرش پر کھاٹ میں پڑے ننھے وجود پر پڑی تھی بجلی کڑکنے کی آواز کے ساتھ اس کے رونے کی آواز بھی گونجی۔۔

رات کی اس تاریکی میں حویلی سے اک سایہ نکلتے ہوئے وہاں سے گزرا رونے کی آواز سن کر وہ سایہ اسی طرف آیا تھا۔۔

گہری نگاہ روتے ہوئے وجود پر ڈالی چند پل سوچا دل کو ٹٹولا اور اس ننھے وجود کو ہاتھوں میں اٹھالیا۔

رونے کی آواز تھم چکی تھی سایہ اب اس ننھے وجود کو لیکر خستہ حال گلیوں کی طرف رواں تھا۔

یہ منظر چھپکے سے دیکھتے نو سالہ بچے نے مطمئن ہو کر حویلی کی جانب قدم بڑھائے تھے۔۔۔

☆_________☆_________☆_________☆

بڑے نواب! آپ کے لئے محفل تیار کر لی گئی ہے"۔"
وہ عورت جو شاید اس حویلی کی ایک کنیز تھی سر جھکا کر حویلی کے چشم و چراغ تک پیغام پہنچا یا تھا۔۔
ہاتھ کے اشارے سے کنیز کو جانے کا اشارہ کر کے اپنے عالیشان کمرے کے عالیشان بستر سے اٹھ کر آئینے کے سامنے کھڑا ہوا۔
لمبا قد مضبوط جسامت چہرے پر ہلکی داڑھی گھنی مونچھ نوابوں کا لباس زیب تن کئے بلاشبہ وہ اٹھائیس سالہ رعب دار شخصیت کا مالک تھا۔۔
خود کو آئینے میں دیکھ کر دلفریب سی مسکراہٹ لبوں کو چھوئی تھی۔۔۔

کمرے سے نکل کر زینے اترا رخ اب اس جانب تھا جہاں اس کے لئے محفل سجائی گئی تھی۔

وہ محفلوں کا شوقین نواب تھا اکثر دوستوں کو دعوت پر بلاتا کھانے پینے اور رقص کے مناظر کے ساتھ محفل سے لطف اندوز ہوتا۔۔

نوابوں کی چال چلتے آگے بڑھا بڑے پردے کو دو ملازموں نے اس کے لئے ہٹایا اس نے اندر قدم رکھا۔۔

دوست استقبال کو اٹھ کھڑے ہوئے۔وہاں موجود دوشیزاوں نے جو رقص کے لئے لائی گئی تھی سر کو جھکایا تھا۔۔۔

سامنے تکیوں کے درمیان اس کے بیٹھنے کے لئے جگہ بنائی گئی تھی وہاں بیٹھا اور دوستوں کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

کھانا لایا جائے"۔"

حکم صادر کیا گیا۔

کنیزوں نے فوراً دستر خوان سجایا۔۔دوستوں کے سنگ کھانا کھانے کے ساتھ ہنسی مزاق بھی جاری تھی۔۔ کھانے کے بعد قہوہ پیش کیا گیا۔۔۔

"رقص شروع کیا جائے"

قہوہ پینے کے ساتھ وہ اب رقص سے بھی لطف اندوز ہو رہے تھے۔۔

☆_____________☆____________☆___________☆

وہ پورے گھر میں چہچہاتی پھر رہی تھی کبھی یہاں کبھی وہاں کنزہ بھی اس کے پیچھے پیچھے تھی۔۔۔

امید بیٹھ جاو بس۔ تھک جاو گی"۔"

وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے کب سے گھومتی ہلکان ہو گئی تھی۔

کنزہ۔۔۔۔ کنزہ آج بابا کی سالگرہ ہے"۔"

خوشی سے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر جھومنے لگی۔

اپنی سالگرہ پر بھی تم اتنی خوش نہیں ہوتی جتنا بابا کی سالگرہ پر ہوتی"

ہو"۔

ہاں بابا ہی میرا سب کچھ ہیں۔ان کا سایہ میرے سر پر ہونا میری سب"

سے بڑی خوش قسمتی ہے۔ان کی سالگرہ کا دن اس بات کا احساس دلاتا

ہے کہ ان کا سایہ مجھ پر سلامت ہے۔میں نے ایک اور سال ان کی

آغوش میں گزارا"۔۔

وہ دونوں اب گھر سے باہر آ گئی۔۔دن کا وقت تھا عموماً وہاں بارشیں ہوا کرتی پر آج موسم تھوڑا نارمل تھا برف باری نہ تھی اور آسمان بھی دور دور تک صاف تھا۔۔۔

کشمیر کی یہ وادی اڑنگ کیل رنگوں اور خوشیوں کی زمین ہے۔

اس نے ان کچی گلیوں میں کھکھلاتے ہوئے کھلی فضا میں سانس لی۔۔۔

سب آتے جاتے مڑ مڑ کر ہاتھ ہلا کر اسے سلام کر رہے تھے۔

بابا کی لاڈلی تو تھی ہی ساتھ میں وہ ان کچی گلیوں میں مقیم لوگوں کی بھی چہیتی تھی۔۔وہ بھی سب سے مسکرا کر مل رہی تھی۔۔۔۔آج موسم اچھا ہونے کی وجہ سے گلی میں جیسے رونق سی لگی تھی۔۔کچھ خواتین نارمل موسم کا مزہ لینے گھروں سے نکل آئیں تھیں اور اپنے کچے گھروں

کے سامنے کچے زمین پر بیٹھ گئیں تھیں۔۔۔۔ بکریاں یہاں وہاں پھر رہی تھی۔بچے کھیل رہے تھے۔

"امید۔۔۔۔۔۔۔امید یہاں آو نا کھیلتے ہیں"۔

بچوں نے اسے آواز دی

"وہ تم سے بڑی ہے نام سے بلاتے ہو۔آپی کہو"۔

کنزہ نے انہیں ٹوکا تھا

"اوہو کنزہ میں نے انہیں خود کہا ہے مجھے نام سے بلائے۔مجھے نہیں یہ آپی دیدھی بننا۔مجھے تو بچوں کا دوست بننا ہے"۔

کھلکھلاتی مسکراتی بچوں کے سنگ آگے بڑھی کنزہ کو بھی زبردستی اپنے ساتھ کھیلنے بلایا تھا۔۔۔۔

ایک خوشگوار دن بچوں کے ساتھ گزار کر شام کا اندھیرا ہونے سے پہلے گھر لوٹ آئی تھی۔۔۔

اندھیرا ہونے والا ہے امید میں بھی گھر چلتی ہوں"۔"

ٹھیک ہے کنزہ۔اللہ حافظ"۔"

اللہ حافظ"۔"

وہ کچن کی طرف آگئی اب اسے مختلف پکوان بنانے تھے بابا کے لئے۔۔

اتنی ماہر تو نہ تھی اس لئے کنزہ سے پکوان بنانے کے طریقوں کی کتاب لے آئی تھی۔۔۔۔۔

سب کچھ تیار کرنے کے بعد صحن میں پڑی پرانی سی میز پر کپڑا ڈالا اور اس پر پکوان سجادئے۔

اب بس بابا کے آنے کا انتظار تھا۔۔۔۔۔۔

☆__________☆__________☆__________☆

مجھے بخش دیں نواب صاحب میں بے قصور ہوں مجھے جانے دیں"۔"

نواب صاحب بڑی سی شاہی کرسی پر براجمان تھے۔

وہ عمر رسیدہ شخص ان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ رہا تھا اپنے بے قصور ہونے کا دعوی کر رہا تھا۔۔۔

حویلی کی کنیزیں، ملازم اور خانساماں بھی ایک کونے میں کھڑے اس تماشے کو دیکھ رہے تھے سب کے دل دھڑک رہے تھے کیا ہوگا اس شخص کے ساتھ۔ بخشا جائے گا یا مارا جائے گا۔۔۔

جتنا وہ سب نواب صاحب کو جانتے تھے وہ بخشنے والوں میں سے تو ہر گز نہیں تھے۔۔۔۔

دوسری کرسی پر براجمان بڑا نواب سگریٹ سلگاتے ہوئے حقارت سے اس شخص کو دیکھ رہا تھا اس کے لئے تو یہ سب محض اک کھیل تماشہ تھا۔۔۔

مرزا صاحب کشمیر کے اس علاقے کے نواب تھے۔۔۔
نوابی کے اس عہدے تک پہنچنے کے لئے انہوں نے اس حویلی کے مالک اور نوابی عہدے کے اصل حقدار معاذالدین کا قتل کیا تھا۔۔۔اور عوام میں یہ بات پھیلادی کہ معاذالدین اور ان کی بیگم دوسرے ملک گئے تھے وہاں ان کا انتقال ہو گیا۔۔۔

کشمیر کے اس سارے علاقے پر ان کا راج چلتا تھا۔ عوام کے متعلق فیصلے کرنا ان کے ہاتھ میں تھا۔۔۔ غریب اور لاچار لوگ انہیں

بے رحم بادشاہ" سمجھتے تھے۔وہ نہایت سنگدل بے رحم نواب"

تھا۔۔۔

نواب صاحب کی بیگم کا انتقال ہو چکا تھا۔۔

ان کے دو بیٹے تھے علی مرزا اور حسین مرزا۔۔

علی مرزا بھی اپنے والد کی طرح سنگدل بنتا جارہا تھا۔۔۔

جبکہ حسین مرزا؟؟اسے آج تک لوگوں نے منظر عام پر نہ دیکھا تھا۔

کیسے دکھتا ہے کیوں سامنے نہیں آیا اپنی شناخت نہیں کروائی کوئی نہیں

جانتا تھا۔۔۔اگر وہ کہی ان کے بیچ میں موجود بھی تھا تو کوئی نہیں جانتا تھا

۔۔۔

سوائے حویلی میں کام کرنے والوں کے کسی نے بھی چھوٹے نواب کو نہ

دیکھا تھا۔

سب یہ جانتے تھے کہ نواب صاحب کے دو بیٹے ہیں پر واقف صرف علی مرزا سے تھے۔۔۔۔

"تم ہمارے ملازم تھے ہمارے کمرے کی دیکھ بھال تم پر تھی۔ تم نے ہمارے کمرے میں میز پر رکھے سونے کی انگوٹھی کو چوری کرنے کی گستاخی کیسے کی؟؟"۔

نواب صاحب کی دھاڑ گونجی سب کے سر جھکے ہوئے تھے۔۔۔۔۔

بڑے نواب کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ رینگی۔۔۔

(دروازے پر رکھوالی دئے اسے دوسرے ملازم نے آکر بتایا کہ

تمہارے لئے نواب صاحب کا بلاوا آیا ہے۔ یہ کام یقیناً بڑے نواب کا

تھا۔اس کے جانے کے بعد بڑانواب دیوار کی اوٹ سے نکلا مسکراتے ہوئے کمرے میں داخل ہوااور انگوٹھی اٹھا کر جیب میں رکھ دی۔

وہ بس تماشہ چاہتا تھاحویلی میں اتنے دنوں سے چھائی خاموشی اور سکون کو ہضم کرنااس کے لئے مشکل تھا)۔

نواب صاحب ! میں ایسی گستاخی کے بارے میں سوچ بھی نہیں" سکتا"۔

اب تم ہم سے جھوٹ بولنے کی بھی گستاخی کر رہے ہو ؟"

چوری کرنے کے جرم میں اس کا ہاتھ کاٹ دواور حویلی سے باہر پھینک دو آج سے ہم اسے نوکری سے خارج کرتے ہیں"۔

نواب صاحب رحم کریں میں نے چوری نہیں کی"۔"

وہ شخص گڑگڑارہا تھا۔۔۔۔۔۔

حکم بجالایا گیا۔۔

حویلی میں موجود ہر شخص میں مزید خوف پھیل گیا۔۔
کچھ نگاہوں نے اس "بے رحم بادشاہ" کو دکھ سے دیکھا تھا۔۔۔۔

☆۔۔۔۔۔۔۔۔۔☆۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔☆۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔☆

رات کے نو بجے خنکی بڑھ گئی تھی۔ سب اپنے اپنے گھروں کے دروازے بند کر چکے تھے۔۔ وہ دروازے میں کھڑی سردی سے کانپتی گلی میں نظریں ٹکائے بابا کے آنے کا انتظار کر رہی تھی۔ اندھیرا ہر سوں پھیل چکا تھا۔۔۔۔

تھوڑی دیر دروازے پر کھڑے انتظار کرنے کے بعد اسے دور سے ہلکی ہلکی روشنی دکھائی دینے لگی۔۔روشنی قریب ہونے پر اس کے بابا ہاتھ میں لالٹین پکڑے آرہے تھے۔۔۔

بابا"۔"

وہی سے ہاتھ ہلاتے خوشی سے بھری آواز دی۔۔

بابا نے بھی اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلایا تھا۔۔

اتنی ٹھنڈ ہے دروازے میں کیوں کھڑی ہو؟"۔"

آپ کا انتظار کر رہی تھی"۔"

اس نے بابا کے کندھے سے چادر اتاری۔

اندر داخل ہو کر بابا کی نظر سامنے سجے میز پر گئی انہوں نے حیران اور سوال کرتی نظروں سے امید کو دیکھا۔۔

سالگرہ مبارک ہو بابا"۔"

شکریہ میری بچی۔مجھے تو یاد ہی نہیں تھا"۔"

لیکن مجھے آپ سے منسلک ہر چیز یاد رہتی ہے"۔"

اس نے میز گھسیٹ کر چارپائی کے سامنے کی اور بابا کے ساتھ بیٹھ کر

چھری انہیں پکڑائی۔۔

میں جانتی ہوں آپ تھک گئے ہوں گے لیکن ابھی سالگرہ مناتے ہیں"

آپ کیک کاٹے۔۔بعد میں پھر آپ کی ٹانگیں دبادوں گی"۔

بابا نے ہنستے ہوئے اس کے ہاتھ سے چھری لی۔۔

اپنی بیٹی کے لئے میں کبھی نہیں تھکتا"۔"

بابا نے کیک کاٹا دونوں نے ساتھ مل کر کھانا کھایا۔۔۔۔

کھانا کھانے کے بعد وہ وہی چارپائی پر لیٹ گئے امید ان کی ٹانگیں دباتے ہوئے ان کے اترے چہرے کو دیکھ رہی تھی ۔۔

بابا"۔"

ہمم "۔"

آپ کسی بات سے پریشان یاد کھی ہیں ؟"۔"

نہیں میں ٹھیک ہوں "۔"

بابا آپ جانتے ہیں آپ مجھ سے نہیں چھپا سکتے میں آپ کے چہرے" سے اندازہ لگاسکتی ہوں۔بتائیں کیا پریشانی ہے ؟"۔

بابا نے موندی آنکھوں سے حویلی میں آج کا ہوا واقعہ اس کے گوش گزارا۔وہ ہکا بکا منہ کھولے سن رہی تھی ۔۔۔

بابا نواب صاحب کس قدر ظالم ہیں۔کوئی کچھ بولتا کیوں نہیں "۔"

وہ نواب ہیں کوئی ان کے خلاف نہیں جا سکتا"۔"

بزدل ہیں سب۔۔اگر سلطنت میرے ہاتھوں میں ہوتی نا تو میں بتاتی"
کہ اس کو کیسے چلاتے ہیں"۔
رات کافی ہوگئی ہے اب تم سو جاو مجھے بھی آرام کرنا ہے"۔"
وہ اس کے سر کو تھپتپاتے کمرے میں چل دیئے وہ بھی چپل اڑستے اٹھ
کھڑی ہوئی۔۔۔
شب بخیر بابا"۔"
شب بخیر میری بچی"۔"

اس نے صبح اٹھ کر نماز پڑھی ہمیشہ کی طرح آج بھی اس کی دعاوں میں
صرف بابا شامل تھے۔
اپنے اور بابا کے لئے ناشتہ تیار کیا۔۔۔ان کی آنکھ تھوڑی دیر سے کھلی
کمزوری سی محسوس کر رہے تھے۔۔۔۔

بابا آج آپ کام پہ مت جائے۔آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے"۔"

میں ٹھیک ہوں بس ذرا سا بخار ہے ٹھیک ہو جاوں گا"۔"

وہ خاموشی سے ان کے ساتھ ناشتہ کرنے لگی۔۔ناشتہ کرنے کے بعد برتن کچن میں رکھے اور ان کے ساتھ دروازے تک آئی۔۔۔۔

بابا آج منگل ہے میلہ لگے گا میں بھی چلی جاوں کنزہ کے ساتھ ؟"۔"

ٹھیک ہے دھیان سے جانا اپنا خیال رکھنا اور شام سے پہلے واپس " آ جانا"۔

ٹھیک ہے"۔"

اللہ حافظ "۔"

اللہ حافظ بابا"۔"

گا گرا پہنے کسسے کو پاؤں میں اڑستے لمبے بالوں کی دو چٹیاں بنائے دوپٹے کو سر پر پن کے ساتھ سیٹ کر کے باقی حصہ پیچھے کی طرف کیئے وہ کنزہ کے ساتھ میلے چلی گئی تھی۔۔۔۔

ان کے گھر سے دس منٹ کی مسافت پر ایک کھلا میدان تھا جہاں ہر منگل کو میلہ لگتا جھولے کھیل اور خریدنے کے لئے چیزیں ہوا کرتی وہ کبھی کبھار کنزہ کے ساتھ یہاں آتی ہنستی کھیلتی جھولے لیتی۔۔۔

کیا خیال ہے امید آج گھڑ سواری کرنی ہے؟"۔"
اسے خود گھڑ سواری تو نہیں آتی تھی لیکن وہ جب بھی آتے امید سے ضرور کہا کرتی وہ جانتی تھی امید کو گھڑ سواری کتنی پسند ہے۔۔۔۔۔۔

گھڑسواری اور تلوار بازی اس کے شوق تھے۔۔۔

وہ اکثر گھر پر بابا کے ساتھ تلوار بازی کی پریکٹس کیا کرتی۔۔۔

"جھولے پر نہیں بیٹھنا کیا؟"

نہیں۔ آج تم گھوڑا گھماو اور میں تمہیں دیکھتے ہوئے تالی بجاوں گی"۔"

دونوں ہنستے ہوئے اس جانب بڑھی جہاں کئی گھوڑے کھڑے تھے اور لوگ پیسے دے کر ان پر سواری کر رہے تھے۔۔۔

دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے جا رہی تھی سامنے سے آتا وجود ان سے ٹھکراتے ٹھکراتے بچا وہ گرنے والا تھا کہ امید نے فورا اس کا بازو پکڑ لیا۔

اس نے ابھی تک چہرہ ان کی جانب نہ کیا تھا وہ سیدھا ہوا تو امید نے اس کا بازو چھوڑ دیا۔۔۔

"تھوڑا آہستہ اور دھیان سے چلا کریں ورنہ اسی طرح لوگوں سے ٹھوکریں کھائیں گے"۔

"معافی چاہتا ہوں"۔

کہتے ساتھ ہی فورا روانہ ہو گیا۔۔

امید نے کنزہ کی جانب دیکھا۔

"یہ کیسا معذرت ہوا کنزہ۔پیٹھ دکھا کر کوئی معذرت کرتا ہے کیا۔اور معذرت کا جواب تو سن لیتا یہ تو بدتمیزی کے زمرے میں آیا نا"۔

ارے چھوڑو امید اجنبی تھا جیسے بھی کی لیکن معذرت تو کی۔جانے دو اسے چلو ہم اپنی گھڑ سواری کرتے ہیں"۔

سر جھٹک کر آگے بڑھی۔آج اس نے جھولے کے پیسوں سے گھڑسواری کی تھی۔۔

کنزہ کے ساتھ پورا دن میلے میں انجوائے کر کے شام ہونے سے پہلے گھر لوٹی تو بابا کو کمرے میں پلنگ پر لیٹے دیکھ کر حیران ہوئی اور پریشان بھی۔۔۔

بابا آج آپ جلدی آگئے۔آپ کی طبیعت ٹھیک ہے نا؟"۔"

ان کی آنکھیں موندی ہوئی تھی۔جلدی سے آگے بڑھ کر ان کے ماتھے کو چھوا۔۔

بابا آپ کو تو بخار ہے۔۔اچھا ہوا آپ کو جلدی چھٹی دے دی"۔"

ہاں نواب صاحب کسی سلسلے میں حویلی سے باہر تھے۔ورنہ میں جلدی " نہ آپاتا"۔

وہ اٹھ کر برتن میں پانی لے آئی اوران کے سر پر گیلی پٹی رکھنے لگی۔۔

بابا آپ کچھ دن کام پر نہیں جائیں گے آرام کریں کچھ دن"۔"

کل تک ٹھیک ہو جاوں گا تم فکر مت کرو۔اور میں حویلی سے ایک دن " کے لئے بھی غیر حاضر نہیں ہو سکتا۔نواب صاحب کا معلوم نہیں ہے کیا"۔

کوئی بیمار ہو تو بھی چھٹی نہیں کر سکتا کیا"۔"

کر سکتا ہے اگر وہ اپنی جگہ کسی اور کو کام پر بھیج دے"۔"

وہ اب تکیے کے سہارے بیٹھ گئے تھے۔

تو پھر ٹھیک ہے آپ کی جگہ میں چلی جاوں گی"۔"

بابا نے اسے گھورا۔۔اس نے نگاہیں پھیر کر انگلیاں چٹخائی۔۔

ایسے تو مت دیکھیں بابا میں جانتی ہوں آپ خانساماں ہیں اور مجھے سہی "

سے کھانا بنانا نہیں آتا تو کیا ہوا کچا پکا تو بنا ہی لیتی ہوں "۔

یہ کچا پکا میں کھالیتا ہوں۔نواب لوگ نہیں کھاتے "۔ "

کچھ نہ کچھ بنا ہی لوں گی ورنہ تو اور بھی خانساماں ہوں گے تو میں ان "

کے ساتھ مدد کروادوں گی یا برتن دھونا باورچی خانہ صاف کرنا یہ بھی تو

کر سکتی ہوں "۔

اس نے مسلے کا حل نکالا۔۔۔۔

ٹھیک ہے چلی جانا اور ہاں راستے میں احتیاط سے جانا حویلی میں بھی "

بس اپنا کام کرنا اور سیدھے گھر آنا "۔

بابا میں بچی ہوں کیا "۔ "

اس نے منہ بسورا۔

میرے لئے تو بچی ہو۔ باہر کی دنیا بڑی خطرناک ہے تمہیں احتیاط سے "

رہنا ہے "۔

ٹھیک ہے بابا "۔"

اگلے دن بابا کو الوداع کہہ کر حویلی کی جانب روانہ ہوئی۔۔

تقریبا آدھے گھنٹے میں وہ حویلی کے سامنے تھی۔

حویلی کو اتنا دور نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ کسی سے گھوڑا ہی لے لیتی تو اچھا "

ہوتا "۔

ہانپتی سانسوں کو قابو کرتے ہوئے عالیشان حویلی کو دیکھنے لگی۔۔

بڑے سے داخلی دروازے کے باہر دو ملازم کھڑے تھے۔۔

میں خانساماں ذوالقرنین کی بیٹی ہوں۔ بیمار ہونے کی وجہ سے وہ نہیں "

آسکے "۔

شناخت؟"۔"

اس نے اپنے چھوٹے سے تھیلے میں سے ایک تصویر نکالی جو اس نے اپنی سالگرہ پر بابا کے ساتھ دکان پر جا کر بنوائی تھی وہ تصویر انہیں دکھائی۔

ملازموں نے بڑا سا گیٹ کھول کر اسے راستہ دیا۔۔

اس نے جیسے ہی اندر قدم رکھا جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے قدم پل بھر کو زنجیر ہوئے تھے ایسی کیفیت کیوں۔۔۔۔۔

ہوتا ہے ہوتا ہے۔پہلی بار آنے پر ایسا ہی ہوتا ہے"۔"

دل کو تھپکی دی اور قدم آگے بڑھائے۔۔

ایک جگہ پر کھڑے ملازم سے راستہ پوچھا اور کچن کی طرف گئی۔۔

وہاں موجود لوگوں کو اپنا تعارف کروایا سب اس سے خوشدلی سے ملے۔۔۔

تم باورچی خانے میں کام نہیں کروگی"۔"

آواز پر اس نے مڑکر دروازے میں کھڑی خاتون کو دیکھا۔۔

جی؟"۔"

تمہیں کوئی اور کام کرنا ہے"۔"

لیکن میرے بابا تو خانساماں ہیں میں ان کی جگہ کام کرنے آئی ہوں"۔"

جانتی ہوں لیکن اس وقت کسی اور کام کے لئے تمہاری ضرورت"

ہے"۔

اس کے سوالیہ نظروں سے دیکھنے پر خاتون نے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور ایک کمرے میں لے آئی جہاں اسکی عمر سے تھوڑی بڑی لڑکیاں خود کو تیار کرنے میں لگی ہوئی تھی۔۔۔

خاتون نے ایک لباس اس کے ہاتھ میں پکڑایا

یہ پہن لو"۔"

کامدار پیروں تک آتا سرخ لباس۔۔

لیکن میں کیوں یہ پہنوں؟"۔"

رقص کے لئے"۔"

اسے لگا شاید سننے میں غلطی ہوئی ہے۔۔

ان میں سے ایک لڑکی طبیعت ناسازی کی وجہ سے محفل نہیں جا سکے" گی تو تم اس کی جگہ محفل میں رقص کرنے جاو گی"۔

اس کا منہ کھلا رہ گیا۔اب وہ محفل میں رقص کرے گی۔۔غصے سے رگیں تن گئیں تھی۔۔

ہر گز نہیں۔میں یہ نہیں کروں گی۔کوئی اور کام دیجیۓ"۔"

لباس انہیں واپس پکڑا دیا۔۔

ٹھیک ہے نہیں کرنا تو واپس جا سکتی ہو پر تمہارے والد کی تنخواہ ضرور" کٹے گی اور نواب صاحب کو بتا دیا جائے گا کہ ان کے حصے کا کام نہیں ہوا وہ چھٹی پر ہے، کیونکہ تم ان کی جگہ آ تو گئی ہو پر کام کیئے بنا جا رہی ہو"۔

ان کی بات پر امید کے باہر بڑھتے قدم رکے تھے۔۔۔

وہ یہاں بابا کے لئے ہی تو آئی تھی اب حویلی والوں کی مرضی وہ کوئی بھی کام دیتے اسے بس بابا کے لئے وہ کام کرنا تھا اور گھر واپس جانا تھا۔۔

لیکن محفل میں رقص کرنا؟؟ یہ اس کے لئے مشکل تھا۔۔

لباس دیجئے میں تیار ہوتی ہوں"۔"

دل پر پتھر رکھ کر الفاظ ادا کیئے اور غسل خانے میں گھس گئی۔

☆__________☆__________☆__________☆

کالی ہڈی پہنے سر پر کیپ لئے مفلر میں منہ چھپائے اندر داخل ہونے لگا کہ سامنے کھڑے ملازموں نے روک لیا۔۔

کون ہو تم ؟اس طرح اندر نہیں جا سکتے "۔"

اس نے مفلر ذرا سا چہرے سے ہٹایا۔ ملازموں نے اسے دیکھ کر فورا سر خم کر کے ہاتھ جوڑے۔۔

معاف کر دیجئے ہمیں معلوم نہیں تھا کہ آپ ہیں "۔"

کوئی بات نہیں "۔"

گیٹ کھول دیا گیا وہ اندر داخل ہوا یہاں وہاں دیکھے بغیر سیدھا ہال میں چلا آیا جہاں نواب صاحب کرسی پر براجمان کسی ملازم سے بات کر رہے تھے۔۔۔

السلام و علیکم "۔"

دروازے پر ہی کھڑے سلام کیا نواب صاحب نے اسے دیکھ کر ہاتھ

کے اشارے سے ملازم کو جانے کا اشارہ کیا۔۔۔

تو آگئے تم۔ کہاں تھے اتنے دن ؟ اور یہ دروازے پر کیوں کھڑے ہو"

وہی سے ہی واپس چلے جانا ہے کیا"۔

اندر چلا آیا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔۔۔

آپ کو سلام کا جواب دینا چاہیئے تھا"۔"

سلام دعا ہوتے رہیں گے تم یہ بتاو کہاں تھے اتنے دن ؟"۔"

دوست کے ساتھ تھا"۔"

کیا کرتے ہیں اس کے والد ؟"۔"

چچا کے ساتھ رہتا ہے۔ کسان ہیں کھیتی باری کرتے ہیں"۔"

اور اس کی بات نواب صاحب کو طیش دلا گئی تھی۔۔۔

"تم۔۔۔تم سدھر کیوں نہیں جاتے۔ تم ایک معمولی آدمی کے بیٹے کو دوست نہیں بنا سکتے ہمارا مقام بہت اونچا ہے۔ایسے جاہل ان پڑھ لوگوں کے ساتھ ہماری دوستی زیب نہیں دیتی"۔

"آپ اسے جاہل مت بولیں۔ وہ میرا دوست ہے۔ میں ہرگز برداشت نہیں کروں گا کوئی میرے دوستوں کے لئے ایسے الفاظ استعمال کریں"۔

"اب تم ان جاہل لوگوں کے لئے اپنے والد سے بدتمیزی کرو گے"۔

"میں بدتمیزی نہیں کر رہا"۔

"جانے دیجئے ابو۔ سمجھ جائے گا"۔

علی مرزا کی آواز ابھری مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوا اور اس کی ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گیا۔۔

کان کھول کر سن لو حسین مرزا! آئیندہ ہماری اجازت کے بنا تم حویلی "

سے باہر قدم نہیں رکھو گے "۔

جی "۔"

اب تم جا سکتے ہو "۔"

ہم بھی چلتے ہیں "۔"

علی مرزا بھی اٹھ کھڑا ہوا۔۔

ایک کا رخ محفل کی جانب اور دوسرے کا رخ زینے کی جانب

تھا۔۔۔۔۔

وی بے دلی سے ان لڑکیوں کے سنگ محفل میں داخل ہوئی۔

وہاں موجود ہر مرد کی نظران پر تھی اسے بہت عجیب لگ رہا تھا ان نظروں سے خوف آ رہا تھا۔۔ بابا سہی کہتے ہیں باہر کی دنیا بڑی خطرناک ہے۔۔

بڑے نواب آ گیئے"۔"

سرگوشیاں ابھری سب نے سر کو خم کیا وہ سیدھی کھڑی رہی دوشیزاوں نے حیرانی سے اسے دیکھا تھا۔۔۔

رقص شروع کیا جائے"۔"

بڑے نواب نے ساری دوشیزاوں پر نظر دوڑائی آخر میں جا کر اس کی نظر اٹک گئی اور ایسی اٹکی کہ ہٹنا بھول گئی وہ مبہوت سا ہو کر اس لڑکی کو دیکھے گیا حالانکہ اس کی محض آنکھیں دکھ رہی تھی چہرہ ڈھکا ہوا تھا، باقی

لڑکیوں سے چھوٹی تھی اور اکتائی نظروں سے یہاں وہاں دیکھ رہی تھی۔۔۔

وہ بھاری قدم اٹھائے اور دل پر پتھر رکھے ان کے ساتھ رقص کرنے لگی رقص ختم ہونے تک بڑے نواب کی نظریں صرف اسی پر ٹکی ہوئی تھی۔۔۔

سب دوشیزائیں ایک ایک کر کے باہر جانے لگی وہ آخر میں تھی۔۔

رکو لڑکی"۔"

رعب دار آواز نے اس کے قدم جکڑے تھے دل جیسے اچھل کر باہر آنے کو تیار تھا بے جان قدموں سے مڑی نظریں جھکی ہوئی تھی۔۔۔۔

میں؟"۔"

علی مرزا کو لگا شاید ہی کبھی زندگی میں اتنی شیرینی آواز سنی ہو۔۔۔

"ہاں تم"۔

"جی؟"۔

"نام کیا ہے تمہارا؟"۔

"میں خانساماں ذوالقرنین کی بیٹی ہوں ان کی جگہ آئی ہوں"۔

"ہم نے تمہارا نام پوچھا ہے"۔

آواز اب بھی رعب دار تھی اس کی طبیعت کو نرم لہجہ گوارا ہی نہ کرتا تھا۔۔

"امید"۔

"عمر کتنی ہے؟"۔

"انیس سال"۔

"آج سے تم ہماری کنیز ہو"۔

"کیا!!؟"۔

اتنی دیر سے جھکی نظریں حیرانی سے اٹھی تھی اور علی مرزا کا دل لے گئی تھی۔۔

معاف کیجئے گا بڑے نواب لیکن میں یہاں محض بابا کی جگہ آئی تھی ان" کے ٹھیک ہونے کے بعد نہیں آوں گی"۔

آنا پڑے گا کل سے تم بھی یہاں کام کرو گی ہماری کنیز بن کر"۔"

لیکن کیوں؟"۔وہ منمنائی"

ایک نواب کے حکم پر سوال اٹھانے کا انجام جانتی ہو؟ تم بس اپنے والد" سے کہہ دینا جو ہم نے کہا ہے"۔

ٹھیک ہے"۔"

اثبات میں سر ہلاتی وہاں سے نکلی علی مرزا نے مسکراتی نظروں سے اسے جاتے ہوئے دیکھا۔۔۔

بڑے نواب کا ایک خانساماں کی بیٹی پر دل آگیا تھا۔

حویلی میں کوئی سن لیتا تو یقیناً بے ہوش ہو جاتا۔

~اس کے لہجے کا اثر تو ہے بڑی بات قتیل
وہ تو آنکھوں سے بھی کرتی ہے جادو ہائے

☆_________☆_________☆_________☆

گھر آکر اس کا موڈ سخت آف تھا بے دلی سے چند نوالے کھائے اور چادر تھان کر لیٹ گئی۔۔رقص کا سوچتے ہوئے غصہ اور رونا آرہا تھا۔۔۔

زیادہ کام کر لیا کیا؟"_"

بابا اس کے پاس آکر بیٹھ گئے۔

"بابا اب کیسی طبیعت ہے آپکی؟"۔

چادر کو سر سے نیچے کر کے چہرہ باہر نکالا۔۔

"اب بلکل ٹھیک ہوں۔۔ تم بتاو دن کیسا رہا؟"۔

"پوچھئے مت بابا۔۔۔ پتا ہے بڑے نواب نے کہا تم اب سے میری کنیز

ہو اور روز آنا ہے"۔

"کیا؟"۔

"ہاں بابا مجھے بھی ایسا ہی جھٹکا لگا تھا"۔

"تم نے وہاں کیا کام کیا؟"۔

وہ خاموش رہی

"امید"۔

"بابا آپ غصہ تو نہیں کریں گے"۔

کیوں کروں گا۔ تم کام کے لئے ہی تو گئی تھی میں بس پوچھ رہا ہوں کیا" کام کیا"۔

بابا"۔ گہری سانس لی۔ "رقص کیا میں نے"۔"

بابا پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھے گئے امید کا سر جھک گیا۔۔۔

بابا میں تو باورچی خانے گئی تھی انہوں نے مجھے ایسا کرنے کو کہا میں" نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن انہوں نے کہا آپ کی تنخواہ کٹ جائے گی اور نواب صاحب سے بھی آپ کی شکایت لگا دیں گے اس لئے مجھے کرنا پڑا"۔

بابا نے تحمل سے اس کی بات سنی۔

بابا کچھ تو بولیں"۔"

بڑے نواب نے تمہیں کنیز کے طور پر کام کے لئے رکھ دیا ہے۔"
پرسوں سے تم میرے ساتھ حویلی چلو گی۔۔میں صحن میں سوو گا
آج"۔

وہ اس پر چادر ٹھیک کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

بابا"۔"

وہ باہر جا چکے تھے

بابا مجھ سے ناراض ہو گئے کیا؟"۔"

بے چینی سے کروٹ بدلتی رہی۔نیند اڑ چکی تھی۔۔ساری رات کمرے کی کھڑکی کھولے ٹھنڈ سے کپکپاتے آسمان کو تکتی رہی۔۔

اگلی صبح وقت پر اٹھی نماز پڑھی بابا بھی اٹھ چکے تھے معمول کے مطابق اس نے مزیدار سی چائے اور ٹیڑھے میڑھے پراٹھے بنا کر چارپائی کے سامنے میز پر رکھے اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

رات کو باہر ٹھنڈ نہیں تھی ؟"۔"

کمبل اوڑھ رکھا تھا"۔"

آج کام پہ نہیں جائیں گے ؟"۔

کل جاوں گا اور تم بھی ساتھ چلو گی"۔"

چھٹی پر نواب صاحب نے کچھ کہا تو"۔"

پڑوس کے افضل نے کہا کہ آج نواب صاحب کو کسی کام سے "

دوسرے سرحد پر جانا ہے"۔

بابا مجھے معاف کر دیں"۔"

کھانے کے دوران بات نہیں کرتے"۔"

وہ خاموشی سے کھانے لگی۔۔ کھانا کھانے کے بعد برتن کچن میں رکھے

اور باپ کے پہلو میں بیٹھ گئی۔۔۔

اب تو معاف کردیں نا بابا"۔"

کس بات کی معافی مانگ رہی ہو"۔"

وہ خاموشی سے سر جھکا گئی۔

بابا نے چند ثانیے اسے دیکھا اور پھر نظریں سامنے دیوار پر ٹکادی۔

امید"۔"

جی بابا"۔"

مرد کے سامنے رقص کرنے کا مطلب جانتی ہو؟ رقص کرنے والی "
عورت مرد کا دل بہلاتی ہے۔ کیا تم بھی مردوں کے دل بہلانے کا
زریعہ بننا چاہتی ہو"۔

اس نے فوراً نفی میں سر ہلایا

تو پھر کیوں کیا"۔ "

میں نہیں کرنا چاہتی تھی پر مجبور تھی"۔ "

کوئی بھی مجبوری ہماری عزت سے بڑھ کر نہیں ہوتی۔ اگر تم عزت کو "
پیسے پر فوقیت دیتی تو مجھے بہت خوشی ہوتی۔۔ تم میری بیٹی ہو تم امید ہو
تمہارے لئے عزت سب سے بڑھ کر ہونی چاہئے"۔

امید نے اپنا سر ان کے شانے پر ٹکا دیا۔

میں سمجھ گئی بابا۔ میں بہت شرمندہ ہوں آئندہ ایسی حرکت ہر گز "
نہیں کروں گی۔ مجھے معاف کر دیں"۔

جا معاف کیا تم بھی کیا یاد رکھو گی کس سخی سے پالا پڑا ہے"۔"

ان کے انداز پر وہ ہنس پڑی تھی۔

بابا میں گھر کے کام کر کے کنزہ سے مل آوں؟"۔"

ضرور"۔"

سب کام نپٹا کر اب وہ کنزہ کے ساتھ گھر کی پچھلی جانب چبوترے پر بیٹھی اسے حویلی کے واقعے سے آگاہ کر گئی تھی۔۔

کیاااا؟"۔"

چیخ کیوں رہی ہو کنزہ"۔"

تم نے باورچی خانے کا کام کرنے کے بجائے وہاں رقص کیا"

اور۔۔۔۔۔اور بڑے نواب نے تمہیں اپنی کنیز کے طور پر کام پر رکھا؟"۔

وہ اب بھی بے یقین تھی۔

اتنا حیران مت ہو اور مجھے کوئی مشورہ دو"۔

چہرہ دونوں ہاتھوں میں گرا دیا۔

"او چوہیا رائتہ خود پھیلا کر پھر آ جاتی ہو کنزہ کو پریشان کرنے"۔

پیچھے سے کمر پر ٹھوکا ملا وہ اتنی محو تھی اگر کنزہ نے بازو نہ پکڑا ہوتا تو یقینا

اوندھے منہ زمین بوس ہو جاتی۔

"تم۔۔۔۔۔۔۔۔انسانوں کی طرح بھی آ جایا کرو کبھی۔ کنزہ سمجھاو

اپنے چمچے کو"۔

نہایت غصے سے کہا۔ وہ اب ان دونوں کے بیچ بیٹھ چکا تھا۔۔

زین احمد، امید اور کنزہ بچپن کے دوست تھے۔ بیسٹ فرینڈز۔۔

زین بہت شرارتی تھا امید کو غصہ جلدی آ جاتا تو اسے امید کو چڑانے میں

بڑا مزہ آتا کبھی کبھار اسے تنگ کرنے کو وہ کنزہ کی طرفداری کرتا جس پر

امید نے اب اسے 'کنزہ کا چمچہ ' سے ہی بلانا شروع کر دیا دونوں ایک دوسرے سے چڑتے بحث کرتے اور کنزہ اپنا سر پکڑ کر بیٹھ جاتی۔۔

چمچہ گری نہیں کر رہا بس ایک بات بولی ہے جو شاید تمہیں کڑوی لگی ہے"۔

بتیسی کی نمائش کی۔۔

مہربانی ہو گی اگر آج اپنا فضول پن بند رکھو گے تو۔پہلے سے ہی پریشان ہوں تم مزید پارہ مت چڑھاو"۔

اچھا بتاو کیا ہوا ہے"۔"

اب کی بار سنجیدہ لہجہ لئے دونوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھا۔۔

کنزہ نے اسے ساری بات بتائی۔۔۔

تو اب تم کیا کرو گی۔حویلی میں کام کرو گی؟"۔"

پتا نہیں"۔"

"تم نے بابا سے بات کی ؟انہوں نے کیا کہا؟"۔

کنزہ نے پوچھا۔

"انہوں نے منع نہیں کیا بلکہ کہا کل سے میں ان کے ساتھ حویلی چلوں گی"۔

"کیاا؟"۔دونوں ایک ساتھ اچھلے

"ہر بات پہ اچھلنا ضروری ہے کیا"۔

"ویسے چوہیا مجھے لگتا ہے بڑے نواب کا تم پر دل آگیا ہے ورنہ کون نواب کسی کو پہلی ملاقات میں اپنی کنیز کے کام کے لئے چنتا ہے"۔

مسکراتے ہوئے آنکھ ماری

"بکو مت تم سے تو بات کرنا ہی فضول ہے"۔

دیکھو امید میں تو کہتی ہوں تم یہ کام منظور کرلو۔اس طرح تمہیں بھی" تنخواہ ملے گی تو تمہارے بابا کے لئے بھی آسانی ہو جائے گی۔ایک طرح سے تم اپنے بابا کی مدد کر رہی ہو"۔

دیکھو! کنزہ کتنی سمجھدار ہے"۔"

زین نے پھر سے سر دونوں کے بیچ گھسایا۔۔

ہاں کنزہ تم بلکل سہی کہہ رہی ہو بہت شکریہ۔اور ایک یہ ہے جو ہر وقت بس دماغ چاٹتا رہتا ہے"۔

آخر میں اسے آنکھیں دکھائی۔۔۔

اچھا چلو اسی خوشی میں تم دونوں کو گول گپے کھلاتا ہوں چلو میری" چڑیلو"۔

دونوں کا ہاتھ پکڑ کر گول گپوں کی دکان پر لے آیا۔۔۔۔

☆__________☆__________☆__________☆

وہ پوری رات اس کے ذہن پر سوار تھی۔۔ کسی کی آنکھیں اس قدر دلنشین کیسے ہو سکتی ہیں کسی کی آواز اتنی مٹھاس بھری کیسے ہو سکتی ہے کوئی پہلی ملاقات میں دل پر کیسے قبضہ کر سکتا ہے۔۔۔

بڑی حکمت سے قدرت نے سجایا ہے تجھے جاناں
مناسب قد، کمر پتلی، شیرینی آواز، غزل آنکھیں

وہ سست روی سے بستر سے اٹھا غسل خانے گیا تیار ہو کر ہمیشہ کی طرح آئینے کے سامنے کھڑا ہوا۔۔

خوش نصیب ہے وہ جو ہمارا دل اس پر آیا ہے۔ علی مرزا کے دل میں " داخل ہوا شخص بے مول نہیں ہو سکتا"۔

آئینے میں خود کو دیکھ کر لبوں کو تبسم چھوئی خود کی ہی نظر اتارنے کو جی چاہا۔۔ موچھوں کو گھما کر باہر نکل آیا۔

رخ اب فاصلے والے کمرے کی جانب تھا۔۔

ہمیں اس کے کمرے میں جانے کے لئے اجازت کی ضرورت " نہیں"۔

کھٹکھٹانے کیلئے بڑھتا ہاتھ رک گیا۔ آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔

ذرا سے دھکیلنے پر بھاری دروازے کے دونوں پٹ وا ہوئے۔۔۔

وہ اسے خود کے ساتھ تلوار بازی کرتا دکھائی دیا۔۔

یہ تمہیں گٹار کی جگہ تلوار ہاتھ میں لینے کا شوق کب سے چڑھ گیا"۔

اس نے حسین کے ہاتھ سے تلوار لے کر مطلوبہ جگہ پر رکھ دی۔۔

"دو سال بیت گئے تم نے گٹار کو ہاتھ نہیں لگایا۔ کیوں ایک بے قدرے انسان کے پیچھے اپنے شوق برباد کر رہے ہو۔۔ دو سال سے اس حویلی میں گٹار کی دھن اور تمہارے گنگنانے کی آواز نہیں سنی گئی۔ ابو کو تو لگتا ہے تمہارا یہ شوق ہی ختم ہو گیا ہے"۔

وہ بستر پر ٹانگیں پھیلا کر بیٹھ گیا۔۔۔ حسین اب کپڑا لیکر گٹار کو گرد سے صاف کر رہا تھا۔۔

"اچھا ہے نا ابو کو ایسا لگتا ہے انہیں ہمیشہ سے ہی میرے گٹار بجانے سے چڑ ہوتی رہی ہے"۔

"ایسا نہیں ہے وہ بس چاہتے ہیں اپنے شوق کے ساتھ تم اس حویلی کے طور طریقوں کو بھی سمجھ لو، جیسا کہ ابھی دیکھ لو گٹار صاف کر رہے ہو جو کام کنیز کا ہے وہ تم کیوں کر رہے ہو"۔

"میں اپنے کام خود کرنا چاہتا ہوں"۔
"یہی تو، تم حویلی کے طور طریقوں کے مطابق نہیں چلتے۔اور ابو یہی تو کہتے ہیں کہ نوابوں کو زیب نہیں دیتا وہ خود ایسے کام کریں"۔

وہ خاموشی سے گٹار صاف کر کے اب اس کے ساتھ بیٹھ چکا تھا۔۔
"یار حسین ہمیں سمجھ نہیں آتا تم جیسے شخص کو کوئی کیسے ٹھکرا سکتا ہے"۔اس کی بات پر حسین مرزا مسکرایا۔

ہاں نا بھائی۔اور کوئی بات مجھ میں ہو نہ ہو لیکن میری آنکھیں اتنی "
دلکش اور دنیا کی حسین ترین آنکھیں ہیں کہ میں خود ان کا دیوانہ
ہوں"۔ سنہری آنکھوں کو سکیڑ کر کہا گیا۔۔

کوئی شک نہیں"۔ علی مرزا ہنسا۔"

ویسے بھائی کوئی خاص بات ہے کیا آج آپ کی طبیعت کھلی کھلی سی "
ہے"۔

ہاں بات تو کرنی تھی تم سے"۔"

بولیں"۔"

ویسے حسین تمہیں تو پتا ہوگا نا کسی کو اپنی محبت کا احساس کیسے دلاتے "
ہیں"۔

اس نے آگے بڑھ کر حسین کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر سرگوشی سی کی۔

کیا آپ کو محبت ہو گئی ہے ؟"۔"

وہ بھی اسی کے انداز میں سرگوشی کرتے ہوئے بولا۔۔

علی مرزاپل بھر کو سٹپٹایا پھر سیدھا ہو بیٹھا۔۔۔

"ارے نہیں نہیں۔۔۔۔۔۔ ہمیں نہیں ہمارے دوست کو محبت ہوئی ہے وہ ہم سے صلاح لے رہا تھا اور تم تو جانتے ہو ہمیں محبت کا میم بھی نہیں پتا اس لئے تم سے پوچھنے آ گئے"۔

حسین مرزا اس کے تاثرات کو دیکھ کر مسکرایا تھا۔۔۔

"دیکھئے بھائی اگر آپ کے دوست کو اس لڑکی کا دل اپنی طرف کرنا ہے تو سب سے پہلے تو انہیں اپنا مزاج دھیما رکھنا ہو گا لڑکی سے بات کرتے ہوئے لہجہ نرم رکھنا ہو گا وہ کیا ہے کہ محبت تلخ لہجوں سے دور بھاگتی ہے"۔

اس نے مسکراتے ہوئے بھائی کے کان میں سر گوشی کی جیسے کمرے میں کوئی تیسرا ابھی ہو اور یہ راز کی بات ہو۔۔۔

ایسا کیا؟"۔"

ہاں بھائی"۔"

مشکل لگ رہا ہے یہ تو"۔"

وہ خود سے بڑبڑایا

آپ کچھ کہہ رہے ہیں بھائی؟"۔"

ہاں۔۔۔نہیں۔۔۔۔۔وہ ہم کہہ رہے تھے ہم نیچے جا رہے ہیں اور" شکریہ مشورہ دینے کا"۔

وہ اسکی کمر کو تھپتپاتے ہوئے نکل گیا۔۔

کون ہے وہ رئیس زادی جس پر بھائی کا دل آیا ہے"۔"

☆۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔☆۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔☆۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔☆

وہ بابا کے ساتھ حویلی کو روانہ ہوئی۔۔۔۔۔

پورا راستہ بابا اسے نصیحتیں کرتے رہے اور وہ سر ہلا کر سنتی رہی۔۔۔۔

آدھے گھنٹے بعد وہ حویلی پہنچ چکے تھے۔۔۔ بابا اسے لے کر شاہی ہال کی طرف بڑھے جہاں ہمیشہ کی طرح نواب صاحب کرسی پر براجمان کسی ملازم کو اس کی غلطی پر جلی کڑھی سنا رہے تھے۔

ذوالقرنین تم یہاں کیسے ؟آجاواندر"۔"

نواب صاحب نے انہیں ہال کے دروازے پر کھڑے دیکھ کراندر بلایا تھا۔۔

وہ حویلی کے واحد ایسے خانساماں تھے جن کا نام نواب صاحب کو یاد تھا۔
نواب صاحب کا کہنا تھا کہ ذوالقرنین ایک وفادار اور بنا غلطی کرنے والا اپنے کام میں ماہر شخص ہے۔اس لئے آج تک نواب صاحب کو ان سے کبھی کوئی شکایت نہ ہوئی تھی۔۔۔۔۔

کہو یہاں کیسے آنا ہوا؟"۔"

نواب صاحب! یہ میری بیٹی ہے امید"۔"

پیچھے سے آتی امید کی جانب اشارہ کیا۔۔

نواب صاحب کا چہرہ اسے دیکھ کر لمحے بھر کر فق ہوا سوچ کے پردے میں کسی کا چہرہ لہرایا تھا۔۔۔اگلے پل وہ خود پر قابو پا چکے تھے۔۔۔

بڑے نواب نے اسے اپنی کنیز کے طور پر کام پر رکھا ہے"۔"

نواب صاحب نے گہری نگاہ اس پر ڈالی جس نے اپنے سر کو نواب کے آگے جھکانے کی زحمت تک نہیں کی تھی۔۔۔

ہاں علی نے ہمیں آگاہ کیا تھا۔ہم اسے اوپر بھیجتے ہیں آپ باورچی خانہ" میں جا کر اپنا کام سنبھالیئے"۔

جی نواب صاحب"۔"

بابا امید کو تسلی بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے وہاں سے چل دیئے۔۔۔۔

نواب صاحب نے گہری پر سوچ نگاہ اس پر ڈالی پھر ساتھ کھڑے ملازم کو اشارہ کیا کہ اسے اوپر کا رستہ دکھائے۔۔۔

وہ ملازم کے ہمراہ زینوں کی جانب بڑھی۔

اوپر جاتے ہی پہلا کمرہ بڑے نواب کا ہے آپ آج سے ان کی کنیز ہے" تو آپ کو ان کے کمرے کی صفائی کرنی ہے اور ان کا ہر حکم بجالانا ہے"۔

ملازم اسے رستہ دکھا کر واپس جا چکا تھا۔۔۔وہ آہستہ سے قدم اٹھاتے زینے چڑھنے لگی اوپر پہنچی دروازے پر کھڑے ملازم نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں یہاں بڑے نواب کی کنیز کے طور پر آئی ہوں"

ملازم تھوڑا سا سائیڈ پر ہو گیا۔۔

اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر دروازہ کھٹکھٹایا جواب نہ ملنے پر دوسری بار زور سے کھٹکھٹایا۔۔۔

کیا مصیبت ہے کون صبح صبح ہمیں بے آرام کرنے کی گستاخی کر رہا"
ہے"۔غصے سے بڑ بڑاتے ہوئے بیٹھ گیا۔
آجاو اندر"۔"

آواز سن کر امید نے دروازہ کھولا دروازہ کھلتے ہی علی مرزا نے اندر آتی روشنی میں کسی کا چمکتا گلابی چہرہ دیکھا تھا نظر آنکھوں پر گئی۔یہ سبز آنکھیں کیسے بھول سکتا تھا وہ۔یہی سے تو ابتدا ہوئی تھی۔۔۔۔
تم"۔"
میں امید آپ کی کنیز"۔"
علی مرزا کے لئے اس پر سے نظریں ہٹانا مشکل ہو رہا تھا آج وہ پھر سے اس کے سامنے تھی اور بے نقاب۔۔۔۔
وہ خود کو سنبھالتا بستر سے اٹھ گیا۔

ہم تیار ہوتے ہیں ہمارے نکلنے سے پہلے کمرہ صاف ہو"۔"

کہتے ساتھ ہی غسل خانے میں گھس گیا۔۔۔وہ گہری سانس لے کر کام پہ لگ گئی۔۔۔۔کمرے کی صفائی کی بستر سیٹ کیا چیزوں سے گرد صاف کی کمرے کو اچھے سے چمکا کر پر سکون سی سانس خارج کی۔۔۔اسی اثنا میں وہ بھی لباس بدل کر غسل خانے سے نکل آیا کمرے کی صفائی دیکھ کر بے ساختہ لبوں کو مسکراہٹ چھوئی۔

کہاں جا رہی ہو کنیز ؟"۔"

جانے کے لئے پلٹی کہ اس کی آواز نے قدم روک لئے۔

میں نے کمرے کی ساری صفائی کر دی ہے"۔"

تمہارا کام صرف کمرے کی صفائی کرنا ہے کیا؟ تم ہماری کنیز ہو تمہارا"

کام ہمارے ساتھ رہ کر ہمارے حکم کی تکمیل کرنا ہے"۔

وہ اب آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر بال بنانے لگا۔ لہجہ نرم رکھنے کی

بہت کوشش کی لیکن نہ ہو پایا۔۔۔

اس لئے تم ہماری اجازت کے بنا نہیں جاسکتی۔ تمہیں سارا دن"

ہمارے ساتھ رہنا ہے"۔

جی"۔"

وہ نظریں جھکا کر کھڑی رہی۔ علی مرزا نے مسکرا کر اسے دیکھا بال سیٹ

کئے اور دروازے کی جانب بڑھ کر اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ وہ

بھی اس کے پیچھے چل دی۔۔۔۔۔۔

سارا دن وہ اس کے پیچھے پیچھے چلتی رہی وہ جہاں جاتا محفل میں، شاہی ہال میں، باغیچے میں وہ اس کے پیچھے کھڑی ہوتی۔۔

پورے دن کی تھکاوٹ اور غصے پر قابو کرنے کے بعد وہ شام کو بابا کے ساتھ گھر کو لوٹی تھی۔۔۔۔

☆۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔☆۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔☆۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔☆

اپنا پسندیدہ کالا لباس زیب تن کئے اوپر واسکٹ پہنے کیپ کو عادتاً سر پر رکھے کمرے سے نکل آیا۔۔۔ یہاں وہاں دیکھا نواب صاحب کی نظروں میں آنے کا رسک نہیں لے سکتا تھا اگر وہ دیکھ لیتے تو ضرور

پوچھتے کہ کہاں جا رہے ہو اور وہ جھوٹ ہرگز نہیں بولتا تھا اور سچ جاننے پر نواب صاحب اسے جانے نہ دیتے۔۔۔

وہ خاموشی سے باہر کی جانب بڑھا۔ ملازم اسے جاتا ہوا دیکھ رہے تھے۔۔

حویلی کے بیرونی گیٹ سے نکلتے ہی سکھ کا سانس لیا۔۔۔

حویلی کے پچھلے جانب اصطبل سے وہ اپنا گھوڑا بھی ساتھ لے آیا تھا۔۔

کھلی فضا میں گہری سانس چھوڑے چہرے پر پرسکون مسکراہٹ لئے گھوڑا اڑنگ کیل کی جانب دوڑا چکا تھا۔۔۔۔۔۔۔

بڑے نواب ! مجھے آج جلدی جانا ہے چھٹی چاہئے "۔۔۔"

"وجہ ؟"

دوست کی سالگرہ ہے شرکت کرنی ہے"۔"

صبح بابا کے ساتھ حویلی آتے ہوئے ہی انہیں بتا چکی تھی کہ آج وہ دن میں ہی چھٹی لیکر چلی جائے گی بابا نے اجازت دے دی تھی۔۔

علی مرزا باغیچے میں بیٹھے تھے اور وہ کھڑی انہیں پنکھا جھول رہی تھی۔۔۔۔

یہ تمہاری پہلی درخواست ہے اس لئے ہم تمہیں چھٹی دے دیتے ہیں" جاو"۔

بہت شکریہ"۔"

وہ خوش ہوتی پنکھا سائیڈ پر رکھ کر چلی گئی۔۔

علی مرزا اس چھوٹی سی لڑکی کی چھوٹی سی خوشی پر مسکرا کر رہ گیا۔۔۔

آدھے گھنٹے کے تھکادینے سفر کے بعد وہ اپنے علاقے میں پہنچی۔

رخ زین احمد کے گھر کی جانب تھا۔۔۔آس پاس کے ہم عمروں کو پارٹی کے لئے بلایا گیا تھا دروازہ کھلا تھا لوگ اندر جا رہے تھے چھوٹے سے گھر کو غباروں سے سجایا گیا تھا ارد گرد چمکیلے لائیٹس بھی لگے تھے برآمدے میں سب کے لئے کرسیاں اور میز لگائے گئے تھے ایک سائیڈ پر ٹیبل پر کیک پڑا ہوا تھا جس کو کٹ نہیں کیا گیا تھا یقینا اس کے لئے امید ہی کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ وہ قدم اٹھاتے اندر کی جانب بڑھی۔۔۔

امید! اچھا ہوا تمہیں چھٹی مل گئی"۔"

کنزہ دروازے کے پاس آئی۔ وہ اس کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔

زین بہت غصے میں ہے تم نے اتنی دیر کر دی تمہارے انتظار میں ابھی" تک کیک بھی نہیں کاٹا گیا"۔

وہ اسے لیکر کمرے میں گئی جہاں وہ کرسی پر بیٹھا ماتھے کی تیوریاں چڑھائے سامنے دیوار کو تک رہا تھا امید نے بمشکل اپنی مسکراہٹ روکی۔۔

اوئے کیا ہوا آج تمہاری سالگرہ ہے اور تم نے منہ لٹکایا ہوا ہے"۔" اس نے آگے بڑھ کر زین کے کندھے پر زور سے ہاتھ مارا وہ بلبلا کر کر رہ گیا۔۔

میں کہہ رہا ہوں چوہیا مجھ سے بات کرنے کی کوئی ضرورت نہیں"۔" منہ دوسری جانب پھیرا۔۔۔۔

اچھا معاف کردو۔ تم تو جانتے ہو میں اب حویلی میں کام کرتی ہوں میں" وہاں سے وقت پر نکل آئی تھی لیکن کوئی سواری تو تھی نہیں اس لئے دیر سے پہنچی اب مسکرادو چلو سالگرہ مناتے ہیں"۔

وہ ہنوز منہ دوسری جانب کئے بیٹھا رہا۔امید نے کنزہ کو مدد طلب نظروں سے دیکھا۔۔۔

اب اس کے ایک جانب امید کھڑی تھی اور دوسری جانب کنزہ۔۔۔

"ہمارا دوست کون۔زین۔۔۔راج دلارا کون۔زین۔۔۔سب سے پیارا کون۔زین۔۔۔۔بہت بہت سالگرہ مبارک ہو ہمارے پیارے زین"۔

وہ دونوں اس کے کان کے پاس گنگنانے لگی۔

زین نے مسکراہٹ روکتے ہوئے کانوں پر ہاتھ رکھ دئے۔

بس کرو چڑیلو اور چلو کیک کاٹتے ہیں خراب ہو جائے گا"۔"

اک ادا سے اٹھ کر باہر کی جانب بڑھا۔۔وہ دونوں بھی اپنی ہنسی روکے اس کے پیچھے چل پڑی تھی۔۔۔

زین احمد کے والدین حیات نہ تھے وہ اپنے چچا چچی کے ساتھ رہتا تھا۔۔

ان کے اپنے بچے نہ تھے زین کو انہوں نے سگے بچے جیسا پیار دیا تھا۔۔

اپنی ہر سالگرہ وہ شاندار طریقے سے کھل کر مناتا تھا اور تیاریوں میں کنزہ

اور امید کا ہاتھ ہوتا لیکن اس بار سب کنزہ اور زین کو ہی کرنا پڑا تھا اور یہ

پہلی بار تھا جب امید نے اس کے سالگرہ پر پہنچنے میں دیری کر دی۔ وہ

کنزہ اور امید کے بنا سالگرہ نہیں مناتا تھا ان دونوں کے ہمراہ ہی وہ کیک

کٹ کرتا تھا۔۔۔

سالگرہ مبارک ہو۔۔۔ سالگرہ مبارک ہو زین"۔"

تالیوں کے شور میں اس نے کیک کاٹا اور سب سے پہلے امید اور کنزہ کو

کھلایا۔۔۔ خوشگوار ماحول میں کھانا کھایا گیا۔۔۔

سب خوش گپیوں میں مصروف ہو گئے شام ہونے کو تھی ایسے میں چمکیلے لائٹس منظر کو خوبصورت بنائے ہوئے تھی کچھ کھا پی رہے تھے کچھ ناچ گانا کر رہے تھے۔۔۔

امید زین کی چچی کے ساتھ مل کر برتن کچن میں رکھوا رہی تھی کنزہ برتن دھو رہی تھی۔۔۔۔

برتن کچن میں لے جا کر اب زین کے ساتھ کرسی میز سائیڈ پر کر رہی تھی۔۔۔ایک میز اٹھا کر ابھی مڑی ہی تھی کہ کسی سے ٹھکرائی اور میز کا پایاں سیدھا اس کے پاوں پر۔۔۔۔

بابا۔۔۔میرا پیر"۔"

آنکھیں مینچتی درد سے کراہ اٹھی۔۔۔

آپ ٹھیک تو ہے؟"۔"

سامنے والے نے کہا۔۔اس نے غصے سے کالا لباس زیب تن کئے اس نوجوان کو دیکھا۔۔۔۔

مجھے سمجھ نہیں آتا سارے اندھے مجھ سے ہی کیوں ٹھکراتے ہیں"۔" پیر دباتے ہوئے بولی۔۔۔۔

محترمہ میں اندھا نہیں ہوں۔آپ وہی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

ایک تو ٹھکرا او اوپر سے معذرت کرنے کے بجائے صفائیاں دیتے" پھرو"۔

اوچوہیا کیا ہوا پیر پکڑے کیوں گھوم رہی ہو"۔"

زین اس جانب آیا تھا

یہ۔۔۔۔یہ اندھا انسان۔۔۔۔۔۔یہ۔۔ چھوڑو بس لگی ہے مجھے میز" سے"۔

تلملاتے ہوئے کہا۔۔

آپ وہی۔۔۔۔۔۔۔۔"

کیا وہی وہی لگا رکھا ہے معذرت نہیں کر سکتے تو مزید مت بولو"۔"

پیر دباتی آگے بڑھ کر کرسی پر بیٹھ گئی۔۔زین کی آواز پر کنزہ جلدی سے تیل لا کر اس کے پیر کی مالش کرنے لگی۔۔۔

وہ بت بنا اسے دیکھے گیا۔وہ تو بس یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ آپ وہی ہے نا جن سے میں میلے میں ٹھکرایا تھا اس لئے آپ مجھے اندھا سمجھ رہی ہے لیکن محترمہ میں اندھا نہیں ہوں یہ تو بس انجانے میں ہو گیا۔۔

ہاں اس دن وہ بنا مڑے چل پڑا تھا لیکن اس نے پیچھے مڑ کر اس کو گھوڑے پر چڑھنے تک دیکھا تھا۔۔

نہ جانے کیوں حسین مرزا کو اس کا چہرہ یاد رہا تھا۔۔۔

پر وہ یہ نہ جان پایا تھا کہ امید نے تو اس دن اس کی جھلک تک نہ دیکھی تھی۔۔۔

معاف کرنا یہ تھوڑی زیادہ ہی ڈرامے باز ہے"۔"
زین نے معذرت بھری نظروں سے اسے دیکھا امید کا تو منہ کھل گیا اپنی عزت افزائی پر۔۔۔
لگی مجھے درد مجھے ہو رہا معذرت اس نے نہیں کی اور ڈرامے بازی میں" کر رہی ہوں ؟"۔
آنکھیں سکیڑ کر پہلے زین کو اور پھر اس انجان شخص کو دیکھا۔۔
ارے کچھ نہیں ہوتا چوہیا وہ بھی میرا دوست ہے۔ میرا دوست تمہارا" بھی دوست تو دوستوں میں معافی کیسی"۔

دوست ؟"۔"

"ہاں میں ملواتا ہوں تم سب کو یہ امید اور کنزہ میری گہری دوستیں اور یہ ہے حسین میرا یار میرے بڑے بھائی کی طرح۔ یاد ہے اس دن میں نے تم لوگوں کے ساتھ میلے میں آنے سے معذرت کی تھی دراصل وہ دن میں نے اس کے ساتھ گزارا تھا"۔

زین نے کھڑے ہو کر ایک دوسرے کے ساتھ ان کا تعارف کروایا۔

وہ دونوں تو حسین کا نام سنتے ہی اچھل پڑی تھی۔۔۔

"حسین؟ یہ۔۔۔۔ یہ چھوٹا نواب ہے؟"۔

امید نے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔ حسین نے کچھ بولنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ زین بول پڑا:

"پورے کشمیر میں صرف چھوٹے نواب کا نام ہی حسین ہے کیا۔ اور حسین مرزا جیسی شخصیت ہمارے غریب خانے پر کیوں آئیں گے۔ کم عقلو۔۔۔۔ یہ میرا دوست ہے حسین۔۔ نواب نہیں"۔

امید اور حسین نے ایک ساتھ رکی سانس بحال کی تھی۔۔

جو بھی ہے لیکن اس کی غلطی کی وجہ سے مجھے لگی اس لئے اس کو"
معذرت تو کرنی چاہیئے"۔

گردن کڑا کر کہا۔زین تو اپنا سر پکڑ کر رہ گیا کنزہ کا بھی یہی حال تھا۔

حسین نے گہری سانس لیکر اسے دیکھا وہ لڑکی اسکی نظر میں کافی ڈھیٹ
واقع ہوئی تھی۔۔۔

محترمہ میں معافی چاہتا ہوں میری وجہ سے آپ کو درد ہوا"۔"

نظریں جھکا کر دونوں ہاتھوں کو باندھ کر کہا گیا۔۔اور امید کی نظروں
میں وہ تابعدار واقع ہوا تھا جو یوں ادب سے نظریں نیچی کر کے معذرت
کر رہا تھا امید کو اس کے معافی مانگنے کا انداز پسند آیا تھا۔۔

کر لی نا معذرت اس نے۔اب ٹھیک ہے"۔"

زین نے اسے گھورا وہ بے نیازی سے ناخن کترانے لگی۔۔
حسین مرزا نے لب بھینچے وہ واقع میں ڈھیٹ تھی۔۔

☆۔۔۔۔۔۔۔۔۔☆۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔☆۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔☆

وہ آج پورے اٹھارہ سال بعد اس کمرے میں آئے تھے۔۔۔اس لڑکی کی جھلک انہیں یہاں لانے پر مجبور کر گئی تھی۔۔کچھ تو بات تھی جو وہ اتنے عرصے بعد بڑے بھائی کی تصویر کے روبرو کھڑے ہوئے تھے دل میں اک ڈر جاگ اٹھا تھا وسوسہ پھیل گیا تھا۔۔۔
جو کہانی انہوں نے اتنے عرصے پہلے ختم کر دی تھی کہی پھر سے نہ شروع ہو جائے۔۔۔۔

تصویر پر گہری نگاہ ڈال کر باہر نکلے اور دروازہ لاک کر دیا۔۔۔
کوئی نہیں جانتا تھا کمرے میں کیا ہے کس کا کمرہ ہے اور کیوں اسے لاک رکھا گیا ہے۔۔۔۔

وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھنے لگے کہ زینے پر چڑھتے سائے پر نظر پڑی وہ پل بھر میں اسے پہچان گئے تھے۔۔
یوں چوری چھپے جانے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں تم سے بات کرنی ہے" فوراً ہمارے کمرے میں آؤ"۔
کہہ کر روانہ ہوئے۔ حسین مرزا گہری سانس بھر کر زینے سے اتر چکا تھا اور ان کے پیچھے ان کے کمرے میں گیا۔۔ نواب صاحب بستر پر بیٹھ گئے وہ ان کے سامنے نظریں جھکا کر کھڑا ہو گیا۔۔۔

"کہاں گئے تھے ؟"۔

"دوست کی سالگرہ تھی"۔

"یہ وہی دوست ہے نا؟"۔

"جی"۔

"حسین مرزا!!!!!!"۔

دھاڑ پوری حویلی میں گونجی تھی

"تم اپنا رتبہ سمجھ کیوں نہیں جاتے تم کیوں نہیں سمجھ لیتے کہ تم ایک نواب کے بیٹے ہو تم بھی ایک نواب ہو اس حویلی کے چشم و چراغ ہو"۔

وہ نہایت غصے میں تھے۔۔۔

"میں جانتا ہوں ابو میں ایک نواب ہوں اور مانتا بھی ہوں"۔

غلط۔۔ تم اس بات کو نہیں مانتے۔اگر تم مانتے تو تم اپنے مقام کو سمجھتے" اور اپنے سے چھوٹے لوگوں میں نہ اٹھتے بیٹھتے۔ تم اگر مانتے تو تم اپنا کام خود نہیں کرتے کنیزوں سے کرواتے۔ تم اگر مانتے تو تمہارا لہجہ بھی نوابوں کی طرح ہوتا تم اپنے لئے 'میں' نہیں بلکہ 'ہم' استعمال کرتے۔ تم اگر مانتے تو عوام سے تم نے اپنے نواب ہونے کی شناخت نہ چھپائی ہوتی۔۔ کیا تم اب بھی کہو گے کہ تم اس بات کو مانتے ہو تم ایک نواب زادے ہو؟"۔

"میں جانتا ہوں میں ایک نواب کا بیٹا ہوں اس حویلی کا صابزادہ ہوں لیکن ابو مجھے یہ سمجھ نہیں آتا کہ نواب ہو کر ہم کیوں عام لوگوں کی طرح زندگی نہیں جی سکتے۔۔اس حویلی کی زندگی اور باقیوں کی زندگی میں اتنا فرق کیوں"۔۔۔

سنجیدہ چہرہ لئے نظریں اٹھا کر نواب صاحب کو دیکھا تھا اور نواب صاحب کی غیرت کو بری طرح ٹھیس پہنچی تھی کہ ان کے چھوٹے صابزادے کو عام زندگی جینے کی خواہش تھی۔۔۔

تم عام لوگوں کی طرح زندگی جینا چاہتے ہو؟"۔"

حسین مرزا نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

چلو"۔"

نواب صاحب اپنی جگہ سے اٹھے اور باہر کی جانب بڑھے وہ بھی حیرانی سے ان کے پیچھے ہو لیا۔۔۔

حویلی کے اصطبل میں آکر نواب صاحب کے قدم رکے۔

تم آج پوری رات اس جگہ پر گزارو گے عام لوگوں کی طرح تاکہ "

تمہیں پتا چلے کتنا فرق ہے ہماری اور عام لوگوں کی زندگی میں۔۔"۔

وہ حیرانی سے انہیں دیکھ کر رہ گیا۔

پر ابو یہ۔۔۔۔اصطبل میں "۔"

کیوں ہمت اسی میں ختم ہو گئی کیا۔ یہ تمہاری سزا ہے بنا بتائے حویلی "

سے جانے کی اور دیر سے آنے کی۔ اور اتنا تو ہم تمہیں جانتے ہی ہیں تم

خیانت ہر گز نہیں کرو گے اور اپنی سزا پوری کرو گے۔ تو آج کی رات

تمہاری ان گھوڑوں کے ساتھ "۔

اپنی بات ختم کر کے وہاں سے چل دئے تھے۔ اور وہ ہکا بکا منہ کھولے

انہیں جاتا ہوا دیکھتا رہا۔۔

ابو بھی نا یہ بھلا کیا سزا ہوئی "۔۔"

بڑ بڑاتے منہ چڑاتے اندر گھس گیا اتنی ٹھنڈ میں رات اصطبل سے باہر بھی نہیں گزار سکتا تھا کرتا کیا نا کرتا خود کو کوستے تار پہ ٹانگی چادر اتاری گھاس پر لیٹ گیا اور چادر خود پر تھان لی کروٹیں بدلتا کبھی ایک طرف کے گھوڑوں کو تو کبھی دوسری طرف کے گھوڑوں کو گھورنے کے ساتھ ساتھ بڑ بڑاتا بھی رہا۔۔۔

کروٹیں بدلتے بدلتے آخر کار نیند کی وادی میں کھو گیا۔۔

اگلے دن بابا کے ساتھ حویلی آکر حسب معمول علی مرزا کا کمرہ صاف کیا اس کے لئے کھانا لگوایا آج علی مرزا کو کسی کام سے نواب صاحب کے ساتھ باہر جانا پڑا۔۔

ہم جلد لوٹے گیں۔ تم چاہے تو گھر جا سکتی ہو"۔"

اس نے سکون بھری سانس لی کچھ تو آرام ہوا۔ بابا کے بغیر گھر جانے کا ارادہ نہ تھا علی مرزا کے کمرے سے نکل آئی نظر فاصلے کے کمرے پر گئی قدم اس جانب بڑھے دروازے پر کوئی ملازم نہ تھا یقیناً کمرے کا مالک کمرے میں موجود نہ تھا یہ اس کا خیال تھا۔ پر وہ کیا جانے کہ حسین مرزا کا ملازم اور کنیزوں سے کوئی واسطہ نہیں۔ ہلکے سے جھٹکے سے دروازہ کھل چکا تھا دھڑکتے دل کے ساتھ اندر قدم رکھا تو ایسا لگا کسی اور ہی جہاں میں آ گئی ہو۔۔ یہ کمرہ بڑے نواب کے کمرے سے کافی الگ تھا ایک طرف بک شیلف میں پڑی ادبی کتابیں آئینے کے ایک طرف چمکتی گٹار اور دوسری طرف تلوار اس نے تلوار کو ہاتھوں میں اٹھایا کچھ دیر دیکھنے کے بعد دوبارہ رکھ دیا۔۔ چھت پر ستاروں کی روشنی، ایک طرف دیوار پر مختلف مناظر کے آرٹ کی تصاویر لگی تھی، نظر دیوار کی دوسری

تھی لیکن جانب گئی جہاں باریک سا پردہ لگا تھا دیوار پر تصویریں لگی پردے کی وجہ سے واضح طور پر دکھائی نہ دیتی تھی۔۔اس نے پردہ ہٹانے کو ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ باہر ملازموں کی کھٹ پھٹ سن کر سٹپٹا کر ہاتھ پیچھے کیا۔۔

یہ نہ ہو کوئی ہنگامہ ہو جائے مجھے اب کمرے سے نکلنا چاہئے"۔"
باہر آکر گہری سانس لی اتنا تو وہ اندازہ لگا چکی تھی کہ یہ کمرہ چھوٹے نواب کا ہی ہوگا۔۔۔دل میں اسے دیکھنے کا تجسس بھی پیدا ہوا تھا وہ کیوں آخر عوام سے خود کو چھپائے ہوئے تھا۔۔

حویلی میں یوں ہی ٹہلنے لگی سب ملازم جانتے تھے وہ بڑے نواب کی خاص کنیز ہے اس لئے کسی نے اسے ٹوکنے کی کوشش نہیں کی۔۔

باورچی خانے گئی بابا سے ملنے کے بعد باغیچے آگئی پودوں کو پانی دیا پھر وہاں سے نکل کر اصطبل کی جانب قدم بڑھائے اندر آکر وہ گھوڑوں کو دیکھنے لگی آگے بڑھی ہی تھی پاوں سے بھاری چیز ٹھکرائی

افف۔راستے میں پتھر کون رکھتا ہے"۔"

کراہتے ہوئے پاوں پکڑا اور وہ پتھر بھی یقیناً اس کے پاوں لگنے سے کراہ کر اٹھ بیٹھا تھا۔۔۔

کون ہے کیوں لات مار رہے ہو"۔"

آنکھیں مسلتے سامنے نظر ڈالی تو منہ کھولے رہ گیا وہ بھی حیرانی سے اسے دیکھے گئی۔۔۔

آپ یہاں؟"۔"

چادر خود پر سے ہٹا کر کھڑا ہوا

میں تو یہاں کنیز ہوں۔ لیکن تم؟ تم یہاں کیسے ۔اوو تم بھی یہاں "
نوکری کرتے ہو کیا"۔

میں؟ نوکری؟ یہاں؟؟؟"۔"

جھٹکا ہی تو لگا اسے۔۔۔

اواب سمجھی تم اصطبل میں کام کرتے ہو یہاں گھوڑوں کی دیکھ بھال "
کرتے ہو ہے نا۔۔۔ لیکن ایسے اصطبل میں گھوڑوں کے بیچ کون سوتا
ہے مسخرے لگ رہے ہو"۔

وہ اسے دیکھ کر ہنس پڑی سبز آنکھیں ہنسی کے باعث چمک رہی تھی جو
سامنے کھڑے سنہری آنکھوں والے کو سحر زدہ کر رہی تھی اور ایسا بس
پل بھر کو ہوا تھا فوراً ہی نظریں پھیر گیا۔۔۔

تم گھر نہیں جاتے کیا"۔"

اس نے بمشکل ہنسی روکی۔۔

مجھے نہیں پتا"۔"

بڑ بڑاتا ہوا چادر تار پر ٹانک کر وہاں سے نکل پڑا پیچھے اس کی ہنسی کی آواز اس کے کانوں میں پڑی تھی۔۔۔۔

☆۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔☆۔۔۔۔۔۔۔۔۔☆۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔☆

صبح سویرے اٹھ کر اپنا بستر ٹھیک کیا کمرہ سیٹ کیا اور تیار ہو کر ہمیشہ کی طرح مفلر منہ پر لپیٹے چھوٹا سا تھیلا لئے کمرے سے باہر نکل آیا رخ کچن کی جانب تھا۔۔آج اس نے ہڈی نہیں پہنی تھی۔۔۔

بابا"۔کچن کی بڑی سی کھڑکی کے پاس آکر سرگوشی کی۔"

ذوالقرنین مسکراتے ہوئے ٹفن ہاتھ میں لئے کھڑکی کی طرف آئے اور

ٹفن اسے پکڑایا۔

آپ کی کھیر تیار ہے۔آپ آج پھر جا رہے ہیں؟"۔"

ہاں! آپ تو جانتے ہیں وہ جگہ کافی سنسان ہے میری تنہائی کے لئے "

بہترین ہے خود کے ساتھ وقت گزارنے کے لئے کبھی کبھار چلا جاتا

ہوں۔اور بہت شکریہ بابا اس کے لئے "۔

اس نے کھیر کا ڈبہ تھیلے میں ڈال لیا۔۔۔

شکریہ کیوں چھوٹے نواب یہ میرا کام ہے میرا فرض ہے "۔"

آپ کو کتنی بار کہا ہے مجھے نام سے بلایا کریں مجھے نہیں اچھا لگتا آپ "

مجھے نواب بلاتے ہیں "۔

یہ تو آپ کا بڑا پن ہے ورنہ بڑے لوگ کہاں ہم جیسے معمولی لوگوں کو "

اتنی عزت دیتے ہیں "۔

خبردار بابا آئندہ آپ نے خود کو معمولی کہا تو آپ معمولی بلکل نہیں"
ہے آپ اعلی انسان ہیں مجھے آپ سے انسیت ہے اس لئے آپ کو بابا
بلاتا ہوں اور آپ بھی مجھے میرے نام سے بلائیں گے یہ نواب چھوٹے
نواب نہیں چلے گا۔وعدہ؟"۔

اس نے ہاتھ آگے بڑھایا بابا نے مسکراتے ہوئے ہاتھ ملایا تھا۔

وعدہ حسین"۔"

یہ ہوئی نا بات۔۔اب میں چلتا ہوں مبادا ابو کے ملازم مجھے دیکھ نہ لیں"
ورنہ چغلی لگادیں گے میری۔اللہ حافظ بابا"۔

اللہ حافظ"۔"

بابا نے ہاتھ ہلا کر اس نیک دل انسان کو جاتے ہوئے دیکھا۔۔۔

حسین مرزا کا ذوالقرنین کے ساتھ الگ سا لگاؤ تھا۔۔جب سے ہوش سنبھالا تھا انہیں حویلی کے باورچی خانہ میں کام کرتے دیکھا تھا۔۔وہ بڑا ہوتا گیا حویلی میں سبھی کام کرنے والوں سے ذوالقرنین اسے الگ سے لگے۔اسے ان سے لگاؤ ہوتا گیا وہ آہستہ آہستہ ان کے قریب ہوتا گیا۔ نواب صاحب نے ایک مرتبہ اسے ذوالقرنین سے ہنس کر بات کرتے ہوئے دیکھا تب اس کی عمر تیرہ چودہ سال تھی اس بات پر نواب صاحب نے حسین مرزا کو سزا کے طور پر پوری رات حویلی کے پچھلے جانب باہر ٹھنڈ میں کھڑا رکھا۔۔وہ ذوالقرنین کو بھی سزا دینا چاہ رہے تھے لیکن حسین نے کہا کہ میں نے ان سے خود بات کی وہ تو خاموشی سے کھڑے تھے۔جس پر نواب صاحب نے انہیں جانے دیا تھا۔۔

اس کے بعد وہ نواب صاحب سے چھپ کر بابا سے ملنے لگا۔۔۔

میں آپ کو خانساماں نہیں بلا سکتا۔ میں آپ کو کیا کہہ کر بلایا"

کروں"۔

ہمم معلوم نہیں۔ جو آپ کو اچھا لگے وہی بلایا کریں"۔"

آپ کے بچے ہیں؟"۔"

ایک بیٹی ہے"۔"

وہ آپ کو کیا بلاتی ہے؟"۔"

وہ مجھے بابا کہتی ہے"۔"

ٹھیک ہے آج سے آپ میرے بھی بابا ہیں اور میں آپ کے لئے"

حسین"۔

ذوالقرنین نے کبھی نہ سوچا تھا کوئی نواب عام خیالات کا اور اتنا نیک دل ہو سکتا ہے۔۔ پھر وہ اپنا سب کچھ ان سے شئیر کرنے لگا کبھی اداس ہوتا یا بہت ذیادہ خوش وہ انہیں بتاتا دو سالوں سے گٹار نہ بجانے کی وجہ بھی بابا

اس کی زبانی جان چکے تھے۔۔وہ اکثر باورچی خانے کی کھڑکی میں کھڑے ہو کر ان سے ڈھیر ساری باتیں کر جاتا تھا۔۔۔بابا جب بھی بات کرتے ان کی باتوں میں زیادہ تر ان کی بیٹی کا ذکر ہوتا۔۔۔وہ بہت اشتیاق سے ان کی باتیں سنا کرتا تھا۔۔۔

وہ اکثر انہیں کہتا کہ آج مجھے کوئی گہری سی نصیحت کیجئے اور ان کی کہی بات وہ اپنے دل و دماغ میں نقش پا کر دیتا۔۔۔

اسے بابا سے ویسا پیار مل رہا تھا جیسا وہ اپنے ابو سے توقع رکھتا تھا کہ کاش وہ مجھ سے والد جیسا پیار کرتے نواب سے ہٹ کر کبھی مجھے اپنے بیٹے کی طرح دیکھتے۔۔۔۔

المختصر یہ کہ حسین مرزا کی زندگی میں ذوالقرنین بابا کی بہت اہمیت تھی۔۔۔۔

گھوڑا دوڑاتا وہ حویلی سے دور اس سنسان جگہ پر پہنچا جہاں وہ اکثر تنہائی میں خود کے ساتھ وقت گزارنے کے لئے آیا کرتا۔۔

یہاں کافی گھنے درخت تھے جیسے کوئی جنگل ہو۔ کوئی بھی یہاں نہ آتا تھا یہاں چھوٹے جانور بھی ہوا کرتے۔۔

صبح کا وقت تھا ہوا میں خنکی تھی ہلکی ہلکی دھند بھی تھی زمین پر اب بھی برف کے چھوٹے ٹکڑے پڑے تھے جیسے رات میں برف باری ہوئی ہو۔۔۔

اس نے ایک جگہ پر گھوڑا کھڑا کیا تھیلا رکھا اور ہاتھوں کو مسلتے یہاں وہاں دیکھنے لگا اسے لکڑیاں اکھٹی کر کے آگ جلانی تھی تاکہ زیادہ ٹھنڈ نہ لگے۔۔۔

"میرے ساتھی! میں تھوڑا آگے جاتا ہوں لکڑیاں لانے تم یہاں کھڑے رہنا اپنا بھی خیال رکھنا اور بابا کے بنائے ہوئے کھیر کا بھی"۔

آگے بڑھا تھوڑا فاصلہ طے کر کے اسے لکڑیاں دکھائی دی اس نے کچھ لکڑیاں اٹھائی اور مطلوبہ جگہ پر آیا تو گھوڑے کو غائب پایا۔ لکڑیاں سائیڈ پر رکھ کر یہاں وہاں نظر دوڑائی۔

ساتھی کہاں گئے تم"۔"

اس نے دیکھا تھیلا وہی پر پڑا تھا یعنی گھوڑا کوئی لیکر نہیں گیا تھا ورنہ تھیلا بھی ساتھ میں اٹھاتا۔ اس نے سانپ کو پھنکارتے ہوئے جھاڑیوں میں جاتے دیکھا مطلب گھوڑا سانپ کے قریب آنے سے ہی وہاں سے بھاگا تھا۔۔ لکڑیوں کی بجائے اس کا دھیان اب گھوڑے پر تھا اسے اپنے ساتھی کو ڈھونڈنا تھا تھیلا اٹھا کر اسے آوازیں دیتے ہوئے آگے بڑھا تھا۔۔۔

"یہ کیا بات ہوئی بھلا اگر میں نے کسی چھوٹے جانور کا شکار کر کے ان کے سامنے رکھا تو وہ مان جائیں گے"۔

وہ سخت جھنجھلاتی ہوئی جھاڑیوں کو ہٹاتے چل رہی تھی۔

دراصل بات یہ تھی کہ اس نے کنیز کا کام چھوڑنے کا فیصلہ کیا وہ مزید حویلی میں کام نہیں کرنا چاہ رہی تھی سمجھ نہیں آرہا تھا بابا کو بتائے یا سیدھا بڑے نواب سے ہی بات کر لے۔ سوچ کر اس نے بڑے نواب کے سامنے اپنی بات رکھی۔۔ بڑا نواب سوچ بیٹھا تھا کہ بہت جلد اسے بتائے گا کہ وہ اسے پسند کرنے لگا ہے۔۔ علی مرزا ٹھہرا شکار کا شوقین وہ یہی چاہتا تھا کہ اس کی ہمسفر خود کو اس کے رنگوں میں رنگے جو کچھ اسے پسند ہو وہ اس کی ہمسفر بھی پسند کرے اس نے امید کے سامنے یہ پیشکش رکھ دی کہ اگر وہ اس سنسان جگہ جا کر کسی بھی چھوٹے جانور کا شکار کر کے لائے گی تو وہ اس کی بات مان لے گا۔ وہ بس امید کو اپنی طرح بنانا

چاہتا تھا اگر وہ شکار کا شوقین تھا تو امید کو بھی اس میں ماہر ہونا چاہئے۔۔۔ پھر وہ اسے بتادیتا کہ ہم تمہیں پسند کرتے ہیں۔۔

وہ اس عجیب سے پیشکش پر بنا کچھ کہے سر اثبات میں ہلا کر روانہ ہو گئی تھی۔اور اب یہاں پھنسے راستہ بھٹکے خود کو کوسنے میں مصروف تھی اب تک کوئی جانور بھی نظروں کے سامنے نہ آیا تھا۔۔ تھک ہار کر ایک جگہ پر بیٹھ گئی واپسی کا رستہ بھول گیا تھا سمجھ نہیں آرہا تھا آگے بڑھے کہ پیچھے کو واپس چلے سخت پیاس بھی لگی تھی پانی بھی ساتھ نہیں لائی تھی۔۔۔

جھاڑیوں میں سرسراہٹ کی آواز پر اس نے گھبراتے ہوئے سر اٹھایا۔

کک۔۔۔کون ہے وہاں"۔"

وہ کھڑی ہوئی سرسراہٹ پھر سے ہونے لگی اتنی ٹھنڈ میں بھی ماتھے پر پسینے کی بوندیں نمودار ہوئی تھی۔۔۔

اس نے ڈر سے آنکھیں مینچی۔

یااللہ میری مدد کرنا میری حفاظت کرنا"۔"

آہستہ سے آنکھیں کھولی تو جھاڑیوں میں سے گھوڑے کو نکلتے دیکھا۔

پسینہ صاف کرتے سکھ کا سانس لیا تھا۔۔

"اوو یہ تو گھوڑا ہے"

وہ آگے بڑھی گھوڑا اسے خود کے قریب آتا دیکھ کر پیچھے ہوا تھا وہ بھی ڈرا ہوا تھا۔

ارے ڈرو نہیں۔تمہارا شکار تھوڑی نا کروں گی تم تو بڑے جانور ہو"۔

وہ آہستہ سے آگے بڑھتی اس کے پیٹھ کو سہلانے لگی۔گھوڑے کا ڈر اب ختم ہو چکا تھا۔۔

"یہ تو شاہی گھوڑا معلوم ہوتا ہے۔ یہاں کیا کر رہا ہے کیا اس کا مالک یہاں پر ہو گا"۔

اسے راستہ معلوم نہ تھا ورنہ گھوڑے پر بیٹھ کر یہاں سے نکل جاتی۔
"تم فکر مت کرو اچھا ہم نکل جائیں گے یہاں سے"۔

گھوڑے کی لگام ہاتھ میں پکڑے اس پر ہاتھ پھیرا۔ ابھی وہ آگے بڑھتی کہ پیچھے کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اس کا دل اچھل کر باہر آنے کو تیار تھا۔۔

"بابابابا"۔ چیختے ہوئے پیچھے مڑی اور سامنے اسے کھڑا دیکھ کر سانس بحال کی۔

"تم کیا کر رہے ہو یہاں۔ پیچھا کر رہے ہو میرا؟"۔

"وہی تو میں بھی پوچھوں آپ یہاں کیسے۔ اور میں پیچھا آپ کا نہیں اپنے ساتھی کا کر رہا تھا"۔

اس نے گھوڑے کی لگام اس کے ہاتھ سے لی

ویسے آپ نے میرا گھوڑا کیوں چھڑایا"۔"

وہ اگر زین کا دوست نہ ہوتا تو امید نے اس کے بال نوچ لینے تھے۔۔

میں نے نہیں چھڑایا۔ یہ خود میرے پاس آیا تھا"۔"

آپ نے بہلا یا پھسلا یا ہو گا۔ شکل سے ہی چور لگتی ہے"۔"

اور اس کا تو خون کھول اٹھا تھا 'چور' کہنے پر۔۔

میں تمہیں چور لگتی ہوں؟ سچ میں؟؟"۔"

آنکھیں دکھائی۔ حسین مرزا نے اپنی مسکراہٹ ضبط کی۔

جانے دیں آپ سے کیا ہی بحث کروں۔ میں چلتا ہوں"۔"

وہ گھوڑا لئے آگے بڑھا۔۔۔

ایسے کیسے مجھے یہاں اس طرح اکیلا چھوڑ کر جاوگے"۔"

وہ بھاگتی ہوئی اس کے ہمقدم ہوئی۔۔ وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔

مجھے واپسی کا راستہ نہیں معلوم میں تمہارے ساتھ چلوں؟"۔"

جی بلکل"۔"

وہ خوش ہوتی اس کے ساتھ آگے بڑھی۔

اس تھیلے میں کیا ہے؟"۔"

کھیر اور پانی"۔"

پانی مل سکتا ہے؟"۔"

اس نے تھیلے سے پانی کی بوتل نکالی جسے وہ ایک ہی سانس میں غٹ کر گئی تھی۔۔

گھوڑے کے بھاگنے کے چکر میں وہ خود کے ساتھ گزارا وقت اب امید کے ساتھ سفر کرتے ہوئے گزار رہا تھا۔۔۔

☆_________☆_________☆_________☆

وہ اس بڑی سی تصویر کے روبرو کھڑے فیصلہ کر چکے تھے کہ اب انہیں کیا کرنا ہے۔۔۔ تصویر کے پاس پڑے بکسے میں سے تلوار نکال کر ہاتھوں میں اٹھائی۔۔اتنے عرصے بعد بھی تلوار ویسی ہی دکھتی تھی کوئی زنگ نہیں لگا تھا۔۔۔

اگر اس کی شکل تم سے نہ ملتی تو ہم یہ قدم اٹھانے کے بارے میں" ہرگز نہ سوچتے۔۔کئی عرصہ پہلے تمہاری ہی تلوار سے تمہارا کام تمام کیا تھا اور آج اسی تلوار سے اس لڑکی کا کام تمام ہو گا"۔

وہ ہنستے ہوئے تلوار پر ہاتھ پھیرنے لگے۔۔۔

قھوے کی ٹرے اٹھائے محفل کی طرف جاتے وہاں سے گزرتے ہوئے ذوالقرنین کے قدم منجمد ہوگئے تھے یہ ڈرا نہیں پہلے ہی تھا اگر نواب صاحب کو امید میں کسی کی مشابہت دکھی تو وہ ضرور اسے نقصان پہنچائیں گے اس لئے انیس سال تک انہوں نے امید کو حویلی کے رستے کی طرف بھی بھٹکنے نہ دیا تھا۔ پھر اس دن بیمار ہونے پر امید نے انکی جگہ جانے کی ضد کی تو وہ دل میں ڈر لئے مان گئے کہ کبھی تو اس کے قدم حویلی کی جانب جائیں گے تو آج ہی سہی۔ پھر امید کو اپنے ساتھ حویلی لانے پر اور نواب صاحب سے سامنا کروانے پر نواب صاحب نے کوئی اعتراض نہ کیا تو وہ مطمئن ہوگئے کہ امید کو کوئی خطرہ نہیں۔ لیکن آج نواب صاحب کو اپنے بڑے بھائی کی تصویر کے روبرو کھڑے ایسی بات کرتا دیکھ کر ان کا وجود ساکت ہوگیا تھا یعنی ان کی بیٹی اب خطرے میں تھی۔۔ خوف کی لہر آنکھوں میں چھائی ٹرے پکڑے ہاتھ لرزائے اور

ٹرے ہاتھوں سے پھسل کر زمین بوس ہو گئی کپ چکنا چور ہو گئے تھے

۔۔

نواب صاحب نے جھٹکے سے مڑ کر دروازے کے پاس کھڑے

ذوالقرنین کو دیکھا ان کی آنکھیں قہر زدہ ہو رہی تھی۔۔۔

ذوالقرنین آنکھوں میں بیٹی کا ڈر لئے دو قدم پیچھے ہوئے اور پھر وہاں

سے باہر کی طرف بھاگے نواب صاحب فوراً کمرے سے نکلے۔۔

اس کو پکڑو یہاں سے بھاگ نہ پائے چاہے جتنا بھی زخمی کرنا پڑے پر"

وہ حویلی سے باہر نکلنا نہیں چاہیئے لے کر آؤ اسے"۔

ملازموں نے اس کے پیچھے دوڑ لگا دی۔۔۔بیرونی گیٹ پر کھڑے ملازم

انجان تھے اس لئے انہوں نے ذوالقرنین کے لئے گیٹ کھول دیا۔

ارے اسے باہر جانے نہیں دینا تھا نواب صاحب کا حکم ہے اسے"

پکڑو"۔

چھ ملازم اس کے پیچھے بھاگ رہے تھے کچھ کے ہاتھ میں تلوار تھی تو کچھ تیر کمان لئے ہوئے تھے۔۔۔ تیر چلائے گئے جوان کے بازو پیر اور کمر کو بری طرح زخمی کر چکے تھے پھر بھی وہ بھاگ رہے تھے ملازم کافی پیچھے رہ گئے تھے گرتے پھرتے ہمت کرتے وہ اڑنگ کیل کے علاقے میں داخل ہوئے بمشکل قدم اٹھاتے آگے بڑھتے گئے جسم خون آلود ہو رکھا تھا۔۔

ارے یہ تو ذوالقرنین ہے"۔"

آس پاس گزرتے لوگ ان کی جانب بڑھے تھے زین جو وہاں سے گزر رہا تھا ان کے نام کا سن کر اس جانب آیا ذوالقرنین کو خون میں لت پت زمین پر گرتے پایا۔ وہ بھاگ کر ان کے قریب گیا ان کا سر اپنی گود میں لئے بیٹھا۔

کیسے ہوا یہ؟ کس نے کیا یہ سب؟ کوئی حکیم کو بلاو"۔"

حکیم تو دوسری سرحد پر گیا ہے"۔"

مجمعے میں سے کسی کی آواز ابھری

نن۔۔۔نہیں۔۔۔۔حک۔۔۔۔۔ حکیم نہیں۔۔۔۔۔امید۔۔۔۔۔"

امید"۔

زین کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے جیسے التجا سی کی تھی کہ میری امید کو

میرے پاس لے آو۔۔

وہ گھوڑے پر بیٹھی تھی اور حسین مرزا لگام پکڑے چل رہا تھا دس منٹ

بعد وہ گھنے درختوں کے بیچ میں سے نکل آئے تھے۔۔۔

میں آپ کو چھوڑ دوں گھر تک؟"۔"

نہیں میں خود چلی جاوں گی"۔"

گھوڑے سے اتر کر اسے الوداع کہتی دائیں جانب رخ کیا تھا۔۔

یہاں سے ایک رستہ حویلی کی جانب تو دوسرا رستہ اڑنگ کیل کی جانب جاتا تھا۔ وہ اس پر گہری نگاہ ڈال کر اپنے راستے پر ہو لیا تھا۔۔

میں نے تو شکار بھی نہیں کیا اب کیا کہیں گے بڑے نواب"۔"

کل دیکھیں گے ابھی تو جلدی گھر پہنچوں بابا میرا انتظار کر رہے ہوں گے آج میری سالگرہ بھی ہے بابا نے ہر بار کی طرح اس بار بھی خاص تیاری کی ہو گی"۔

خود سے بڑبڑاتے پندرہ منٹ بعد وہ علاقے کے اندر داخل ہوئی تھی تھوڑا آگے بڑھنے پر اسے بھیڑ سی دکھائی دی۔

کیا ہو رہا ہے یہاں"۔"

لوگوں کی بیچ میں سے راستہ بناتی آگے بڑھی اور قدم بے جان سے ہوئے چہرے کا رنگ ایسے اڑا جیسے کسی نے سارا خون نچوڑ لیا ہو

"بابا۔۔۔۔۔۔بابا"۔وہ ان کے قریب پہنچی جو لت پت وجود لئے زین کی گود میں سر رکھے گہری سانسیں لے رہے تھے۔

"امید"۔

"یہ۔۔۔یہ کیا کس نے کیا یہ اور حکیم زین بابا کی یہ حالت ہے اور تم نے ابھی تک حکیم کو نہیں بلایا"۔

بابا کا سر اپنی گود میں رکھے روتے ہوئے زین کو دیکھا۔

"حکیم یہاں موجود نہیں ہے اور ہم مل کر انہیں خود حکیم کے پاس لے جانا چاہ رہے تھے پر انہوں نے منع کر دیا اور ایک ہی بات کہے جا رہے کہ امید کو لے آو"۔

"بابا کیا ہوا ہے یہ سب چلئے نا چلتے ہیں حکیم کے پاس آپ کے زخموں پر مرہم لگانے۔میں آپ کو ایسے تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی"۔وہ ان کے چہرے پر ہاتھ پھیرے رو دی تھی۔۔

مم۔۔۔میں۔۔۔امید تم۔۔۔۔میری۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

بولنا مشکل ہو رہا تھا سانس اٹک رہی تھی

بابا کچھ مت بولیں افضل چچا آپ مہربانی کر کے گھر سے پٹی لے آئیں" ان کو باندھ دیتے ہیں تاکہ خون مزید نہ بہے"۔

وہ سر ہلا کر گھر کی طرف گئے۔۔

مجھے۔۔۔۔۔۔مجھے تت۔۔۔۔ تمہیں"

کچھ۔۔۔۔۔بتانا۔۔۔۔۔۔ہے"۔

اٹکتے ہوئے بمشکل کہا بولنے میں تکلیف ہو رہی تھی سانس اٹک رہی تھی سینے کا درد بڑھ رہا تھا پر آج انہیں بولنا تھا ہر حال میں بولنا تھا۔۔

میں۔۔۔۔میں۔۔۔ تمہارا۔۔۔۔۔۔والد نہیں۔۔۔۔۔۔۔ہوں"۔"

اور امید کے جسم سے جیسے کسی نے خون نچوڑ دیا ہو چہرہ فق ہوا تھا کیا کہہ رہے تھے بابا۔۔۔

باباآپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے بعد میں بات کرتے ہیں"۔"

میں۔۔۔۔۔ تمہارا"

والد۔۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔ تم۔۔۔۔۔۔ نواب۔۔۔۔۔۔۔ حویل

ی۔۔۔۔۔۔۔ تمہارا۔۔۔۔۔۔۔۔ تم۔۔۔۔۔۔۔ تمہارا"۔

ٹوٹے پھوٹے لفظ ادا کئے نہ جانے کیا کہنے کی کوشش کررہے تھے وہ قاصر تھی۔ بابانے کانپتے ہاتھ سے اپنی گردن سے چین اتاری اور اس کے ہاتھ میں پکڑائی۔امید نے چین ہاتھ میں پکڑ کر باباکودیکھا افضل پٹی لے آئے تھے امید نے ان کو سہارا دے کر بٹھایا۔۔۔

یہ۔۔۔۔۔۔۔ یہ"

تمہارا۔۔۔۔۔۔ ہے۔۔۔۔۔۔ تم۔۔۔۔ حویلی۔۔۔۔۔۔

اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ بولتے دور سے اک تیر اڑتا ہوا آیا اور ان کے سینے پر دل کے مقام میں پیوست ہو گیا۔۔۔

امید اور زین نے ایک ساتھ اس جانب دیکھا جہاں سے تیر آیا تھا کالی ہڈی پہنے رومال سے چہرہ ڈھکے وہ شخص تیر چلا کر وہاں سے بھاگ چکا تھا۔۔۔

امییید"۔"

آخری لفظ جوان کے منہ سے نکلا اور پھر ان کی ہچکولے سے چلتی سانس رک گئی ہاتھ امید کے ہاتھ سے پھسل گیا گردن ایک طرف کو ڈھلک گئی۔۔۔امید کی دنیا ختم ہو چکی تھی بابا کا سایہ چھن چکا تھا وجود برف کی مانند پڑ گیا سانس حلق میں اٹکی رہ گئی۔

بابا۔۔۔۔ باا باااااااااا"۔"

پوری قوت سے چیختی ان کے سینے پر سر رکھے بلک بلک کر رو دی تھی

بابا اٹھ جائے خدا کا واسطہ بابا مجھے اکیلا مت چھوڑے بابا"۔"

روتے روتے ہچکی بندھ گئی زین نے بمشکل اسے سنبھالا تھا۔

بابا کو کہو آنکھیں کھولے مجھے ڈر لگ رہا ہے انہیں کہو کچھ تو بولیں مجھے "پکاریں"۔

ہچکیوں سے روتی رہی زین نے اس کا سر سہلا کر بمشکل اسے قابو کیا۔وہ کیسے سنبھالتی خود کو، کیسے قابو ہوتی بھلا، کیسے صبر آتا، کیسے یقین کر لیتی اس کی تو دنیا ہی اجڑ گئی تھی۔۔۔۔

☆۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔☆۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔☆۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔☆

وہ کمرے میں آیا منہ ہاتھ دھو کر بیڈ پر بیٹھ گیا تھیلے سے ٹفن نکالا کھولا بابا کے ہاتھ کی بنی کھیر کھانے لگا۔۔امید کا چہرہ بار بار آنکھوں کے سامنے

لہرا رہا تھا وہ چمچ منہ میں رکھتے مسکرا دیا اس کی کہی باتیں یاد آ رہی تھی وہ کھیر کھاتے اسے سوچتے ہوئے مسکرائے جا رہا تھا۔۔۔

میں بدلنے لگا ہوں جینے کی چاہ ہو گئی ہے اسے سوچ کر مسکرا رہا ہوں" کیوں؟ کیا وہ میرے بدلاو کی وجہ بن رہی ہے؟ ہاں ایسا ہی ہو رہا ہے لیکن کیوں ہو رہا ہے سمجھ نہیں آ رہا"۔

کھیر کا ڈبہ خالی کر کے سائیڈ پر رکھا اور اٹھ کر گٹار کے قریب آیا اس پر ہاتھ پھیرا۔ کیا دو سالوں کے بعد وہ پھر سے گٹار ہاتھ میں لے کر اس کی دھن بکھیرنے والا تھا؟؟

دو سال قبل اسے ایک لڑکی سے محبت ہو گئی تھی جان پہچان بڑھی وہ ایک رئیس زادی تھی امیر گھرانے سے تعلق رکھتی تھی وہ بھی حسین مرزا کے بارے میں جانتی تھی وقت گزرتا رہا دونوں ایک دوسرے کو جانتے گئے محبت بڑھتی گئی۔ حسین مرزا کو گٹار بجانے کا شوق تھا وہ اکثر

نئی نئی دھنیں بکھیر تا تھا گنگنا تا نہیں تھا۔ پہلی بار گٹار بجانے کے ساتھ تب گنگنا یا تھا جب اسے ماہی سے محبت ہوئی تب اس نے اس کے سامنے بیٹھ کر اس کے لئے گانا گایا تھا۔۔ وقت اچھا گزر تا رہا پھر ایک دن حسین نے باتوں میں اپنے اندر کی بات کی کہ میں نواب تو ہوں پر عام زندگی جینا پسند ہے میں عام لوگوں کیساتھ عام لوگوں کی طرح عام زندگی جینا چاہتا ہوں۔ مجھے نوابی سے کوئی غرض نہیں نہ ہی عیش و آرام سے۔۔۔۔۔۔۔

اس کے بعد ماہی کا رویہ اس کے ساتھ بدلنے لگا وہ کھینچی کھینچی سی رہنے لگی کم ملنے لگی۔ وہ پریشان تھا ماہی کے رویے سے وہ کیوں ایسا کر رہی ہے پھر ایک دن ماہی نے بات یہ کہہ کر ختم کر دی کی اس نے ایک نواب سے محبت کی تھی حویلی کے چشم و چراغ سے، مجھے نہیں پتا تھا تمہاری سوچ عام انسانوں کی طرح ہو گی تم اپنا اصل چھوڑ کر معمولی زندگی

گزارنے کے خواہشمند ہو۔۔اور ماہی نے اسے چھوڑ دیا۔۔وہ کئی دن تک بیمار رہا تھا بخار میں تپتا رہا پھر وہ ٹھیک ہونے لگا آگے بڑھ گیا لیکن اس واقعے نے اس کے گٹار بجانے کا شوق چھین لیا۔۔دو سال ہو گئے حویلی میں اس کے گٹار کی دھن نہیں سنی گئی۔پھر اسے کسی اور سے محبت نہ ہو سکی وہ ایسی ہمسفر چاہتا تھا جو اس سے محبت کریں حسین سے محبت کریں نا کہ اس کے رتبے سے۔۔۔

آج گٹار کو ہاتھ میں لئے پھر سے اسے بجانے کی چاہ ہوئی تھی۔امید کو سوچ کر۔پر کیوں ؟؟۔کچھ تو محسوس ہو رہا تھا اس کے لئے پر جو دو سال پہلے ماہی کے لئے جذبات تھے یہ احساس اس سے بہت الگ تھا۔کیسا احساس تھا یہ ؟وہ خود سمجھ نہیں پا رہا تھا بس اتنا جانتا تھا کہ اس کے اندر پھر سے جینے کی چاہ پیدا ہو گئی ہے پھر سے کھل کر مسکرانے کو دل کر رہا

ہے پھر سے دل کی حالت بدل رہی ہے پھر سے گٹار بجانے کا من کر رہا

ہے۔۔۔۔۔

گٹار ہاتھ میں لئے بستر پر آ بیٹھا آنکھیں موندی امید کا مسکراتا کھلکھلاتا چہرہ سامنے آیا۔۔ گٹار پر دھن بکھیر چکا تھا حویلی کے جن بھی ملازموں کنیزوں کے کان میں آواز پہنچی وہ آنکھیں پھاڑیں منہ کھولے حسین مرزا کے کمرے کی جانب دیکھ کر رہ گئے۔۔

آنکھیں موندی ہوئی تھی تصور میں امید کا چہرہ لا کر اس نے گٹار بجائی اور گانا شروع کیا:

ہممممم میں پرندہ بے صبر

تھا اڑا جو در بدر

کوئی مجھ کو

یوں ملا ہے

جیسے بنجارے کو گھر

نئے موسم کی سحر

یا سرد میں دوپہر

کوئی مجھ کو

یوں ملا ہے

جیسے بنجارے کو گھر

اووووووووو

جیسے بنجارے کو گھر

گٹار ہاتھ میں لئے آئینے کے سامنے کھڑا ہوا آج چہرے پر کچھ الگ ہی رنگ تھا مسکراہٹ لبوں سے جدا نہ ہو رہی تھی تصور میں بار بار اس کا چہرہ آ رہا تھا۔۔۔

آپ مجھے پھر سے جینے کی طرف مائل کر رہی ہے"۔"

آئینے میں اس کے تصور سے مخاطب ہوا

گٹار واپس اپنی جگہ پر رکھا۔۔ ابھی وہ بستر پر لیٹنے لگا تھا کہ دروازہ کھلا اور علی مرزا اندر داخل ہوا۔۔ حسین مرزا کی پہنی ہڈی اتاری مطلوبہ جگہ پر لٹکائی اور ہانپتے ہوئے واپس مڑا

کیا ہوا بھائی آپ ٹھیک تو ہے"۔"

ہم تو ٹھیک ہے۔ تمہیں معلوم ہے کیا ذوالقرنین خانساماں کا انتقال ہو گیا ہے"۔

حسین مرزا کا وجود ساکت ہو گیا بے یقین آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا۔

آپ۔۔۔۔۔آپ مزاق کر رہے ہیں؟"۔"
پاوں سے جان نکلی جارہی تھی سہارے کے لئے دیوار کو تھاما
ہم ایک معمولی انسان کے لئے تمہارے ساتھ ایسا مزاق کیوں کریں"
گے"۔

بابا"۔"
حسین مرزا کو اپنا دل ڈوبتا محسوس ہوا اور باہر کی جانب دوڑ لگا دی۔۔۔
پیچھے علی مرزا کے ہونٹوں پہ شیطانی مسکراہٹ ابھری تھی۔
کچے دل کا انسان"۔"

☆_ _ _ _ _ _ _ _ _ _ ☆_ _ _ _ _ _ _ _ _ _ ☆_ _ _ _ _ _ _ _ _ _ ☆

ذوالقرنین کو دفنا دیا گیا تھا سب قبرستان سے جا چکے تھے زین اور کنزہ بڑی مشکل سے امید کو سنبھالے گھر لے آئے تھے وہ دونوں امید کے ساتھ ہی رک گئے۔

لوگوں سے پوچھتا جب وہ قبرستان پہنچا تو وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ایک قبر کی تختی پر ذوالقرنین نام کے ساتھ نیچے تاریخ وفات بھی لکھی ہوئی تھی وہ وہی زمین پر بیٹھتا چلا گیا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔۔۔ بائیس سالہ زندگی میں وہ پہلی بار اتنا ٹوٹا تھا اتنا رویا تھا وہ تو اپنی امی کی وفات پر بھی اتنا نہ رویا تھا اپنی محبت کی ناکامی پر بھی اتنا ہرٹ نہ ہوا تھا جتنا آج ذوالقرنین کی موت نے توڑ دیا تھا۔۔۔

"بابا۔۔۔۔بابا"۔

انکی قبر پر سر رکھے شدت کرب سے چیخ پڑا

"بابا کیوں گئے آپ۔میری زندگی خالی کر دی۔دیکھے میں خالی ہاتھ رہ گیا"۔

اپنے ہاتھوں کو دیکھتے اک بار پھر سے روتے ہوئے قبر پر سر گرا گیا۔۔

رات کا اندھیرا اچھیل رہا تھا وہ وہی بیٹھا روتا رہا ان سے باتیں کرتا رہا جانے کا شکوہ کرتا رہا واپس لوٹ آنے کا کہتا رہا۔۔

پوری رات بابا کی قبر پر سر ٹکائے روتے ہوئے گزاری تھی۔۔۔۔

اندھیرا اچھیل چکا تھا ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھی وہ کھڑکی کھولے بیٹھے آسمان کو خالی نظروں سے تک رہی تھی۔۔۔

عجیب سی لڑکی تھی

اسے راس آتا تھا

سردیوں کے موسم میں

کھڑکیاں کھلی رکھنا

امید کھڑکی بند کردو ٹھنڈ لگ جائے گی"۔"

کنزہ اس کے پاس آئی پر وہ سن کہاں رہی تھی آدھے گھنٹے پہلے انہوں نے اس کے سامنے کھانا رکھا تھا اور اس دوران بیسیوں چکر اس کے پاس لگا کر کھانا کھانے کا کہہ چکے تھے پر اس نے برتن کی طرف اک نظر بھی نہ ڈالی تھی۔۔۔جب سے قبرستان سے لوٹی تھی ایسے ہی کھڑکی کے سامنے بیٹھی خالی نظروں سے آسمان کو دیکھے جا رہی تھی آنسوں خشک

ہو چکے تھے مگر اندر کی دنیا میں کہرام مچا ہوا تھا اندر اک شور برپا تھا دل چیخ رہا تھا پھٹ رہا تھا پر لب خاموش تھے۔۔۔۔

امید تھوڑا سا تو کھا لو"۔"

دونوں اس کے پاس آ کر بیٹھے کنزہ نے نوالہ بنا کر اس کے آگے کیا۔

اپنے بابا کے لئے"۔"

اس بار امید نے نظر اٹھا کر انہیں دیکھا تھا اور چپ چاپ نوالہ کھا لیا تھا۔۔۔اس طرح کنزہ نے اسے کھانا کھلایا پھر برتن کچن میں رکھ کر دونوں اس کے دونوں سائیڈ پر بیٹھ گئے۔۔۔۔

امید تم یوں چپ نہ رہو اداس مت ہو بابا ہوتے اور تمہیں یوں اداس" بیٹھا دیکھتے کتنی تکلیف ہوتی انہیں"۔

زین نے کہا۔دونوں نے امید کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔۔۔

امید کی آنکھیں تیزی سے بھیگی کنزہ نے اس کا سر اپنے کندھے پر ٹکایا

۔۔۔

مجھے اس شخص کو انجام تک پہنچانا ہے جس نے میرے بابا کا یہ حال کیا"

میرے بابا کو مار دیا"۔

آواز رندھی ہوئی تھی آنکھ سے جھلکتا آنسو صاف کیا۔۔۔

یاد ہے زین بابا آخری وقت میں کچھ بتانے کی کوشش کر رہے تھے"۔"

ہاں۔وہ بار بار نواب تمہارا اور حویلی کا لفظ استعمال کر رہے تھے اور"

انہوں نے یہ کیوں کہا کہ وہ تمہارے والد نہیں ہے"۔

امید نے کرب سے آنکھیں بند کر کے بابا کے ان الفاظ کو یاد کیا تھا۔۔۔

معلوم نہیں۔مجھے خود سمجھ نہیں آرہا بابا ایسا کیسے کہہ سکتے ہیں نا جانے"

کیا بات ہے"۔

"وہ لاکٹ کہاں ہے جو تمہیں بابا نے دیا۔ ضرور کوئی تو بات ہو گی جو انہوں نے ایسے وقت میں اپنے گلے سے لاکٹ اتار کر تمہیں دیا اور انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ یہ تمہارا ہے"۔

زین نے یاد دلایا۔۔اس نے کھڑکی کے پاس کونے میں پڑا وہ لاکٹ اٹھایا وہ سونے کی چمکتی چین تھی اس میں چھوٹا سا دل بنا ہوا تھا ایسی کیا بات تھی اس لاکٹ میں۔۔۔اس نے ہاتھوں میں لیکر بغور اسے دیکھا ٹٹولا دل کھل گیا بیچ کے دو حصے تھے۔۔

"یہ۔۔۔۔یہ کھل گیا"۔انہوں نے دیکھا دل کے اندر دونوں سائیڈ میں تصاویر تھیں ایک طرف پر ایک خاتون اور دوسری طرف مرد کی تصویر تھی۔۔وہ حیرانی سے دیکھے گئی۔۔۔

یہ کون ہو سکتے ہیں ؟اور تمہارے بابا نے کہا یہ تمہارا ہے۔ کیا تم انہیں" جانتی ہو ؟"۔

زین نے اس کے ہاتھ سے لاکٹ لیکر غور سے ان تصاویر کو دیکھا۔

نہیں۔ میں پہلی بار انہیں اس تصویر میں ہی دیکھ رہی ہوں اور اگر یہ" میرا لاکٹ ہے تو بابا نے اتنا عرصہ اپنے پاس رکھا اور مجھے کچھ بتایا نہیں اور یہ لوگ کون ہیں۔ میرا دماغ کام نہیں کر رہا کچھ سمجھ نہیں آرہا"۔

اس نے اپنا سر ہاتھوں میں گرادیا۔۔ سر درد کرنے لگا تھا ایک تو بابا کے جانے کا غم اور بابا جاتے ہوئے اسے کس پہیلی میں الجھا گئے تھے۔۔۔

امید تم پریشان مت ہو سب ٹھیک ہو جائے گا"۔ کنزہ نے اس کا سر" تھپتھپایا۔۔ "دیکھو سوچو ذرا آخری وقت میں بابا کے کہے الفاظ وہ بار بار حویلی کا ذکر کر رہے تھے اور یہ لاکٹ جس سے تم انجان ہو لیکن تمہارے بابا نے کہا یہ تمہارا ہے اور بابا کا قتل۔ یہ سب باتیں ایک ہی

طرف اشارہ کر رہی ہے۔ حویلی۔۔یعنی کہ یہ سارا راز حویلی سے ہی جڑا ہے۔ جیسا کہ تم لوگوں نے تیر مارنے والے شخص کو حویلی کی جانب جانے والے رستے کی طرف بھاگتے دیکھا یعنی بابا کا قتل بھی حویلی کے کسی فرد نے کیا ہے یہ ساری کہانی حویلی میں ہی ہے ہمیں بس اس کے تہہ تک پہنچنا ہے"۔۔

کنزہ نے اپنی سوچ ان کے سامنے رکھی۔۔۔امید کی پر سوچ نظریں آسمان پر ٹک گئی۔۔۔

"تم کیا سوچ رہی ہو چوہیا؟"۔

"میں کل جاوں گی حویلی۔ ہمیشہ کی طرح کنیز بن کر"۔

"لیکن تم نے تو کہا تھا تم کام چھوڑ دو گی"۔

کہا تو تھا۔ پر اب نہیں۔۔ ہم نواب صاحب سے بھی شکایت نہیں"
کر سکتے کیونکہ وہ ذرا بھی انصاف پسند نہیں ہے مجھے پتا ہے وہ کبھی بھی
بابا کے قاتل کو سزا نہیں دیں گے وہ صرف انہیں سزا دیتے ہیں جنہیں
وہ دینا چاہے اس لئے یہ جنگ مجھے خود لڑنی ہے۔ اگر مجھے بابا کے قتل کا
بدلہ لینا ہے اور اس ساری پہیلی کو سلجھانا ہے تو مجھے حویلی تو جانا ہے اور
اس کے لئے مجھے حویلی کی نوکری نہیں چھوڑنی"۔۔۔

وہ فیصلہ کر چکی تھی۔۔۔

ہم تمہارے ساتھ ہیں"۔"

دونوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ہمیشہ ساتھ دینے کا وعدہ کیا
تھا۔۔۔۔۔۔

☆____________☆__________☆_________☆________☆

وہ پھر سے اسی جگہ پر آگیا تھا۔ صبح سویرے ٹھنڈی ہوا نخ موسم بھینی بھینی مٹی کی خوشبو باہر کا موسم خوشگوار تھا پر اس کے اندر کا موسم ویران ہو رکھا تھا اس سنسان جگہ پر آ کر تنہائی میں بیٹھ کر بابا کو یاد کر کے دل چاہا پھوٹ پھوٹ کر رو دے دل کا درد آنسوں میں بہا دے۔ وہ رویا بہت رویا زار و قطار رویا پر درد دل ختم نہ ہوا۔ آج معمول کی طرح اس کے پاس کھیر کا ڈبہ نہیں تھا آج وہ خالی ہاتھ تھا بلکل خالی ہاتھ۔۔۔

وقت بدل دیتا ہے زندگی کے سبھی رنگ

کوئی چاہ کے اپنے لئے اداسی نہیں چنتا

پوری رات اس نے جاگتے ہوئے کھڑکی کے سامنے بیٹھے بابا کی یاد میں گزاری تھی صبح سر بھاری ہو رہا تھا آنکھیں نہ سونے کی وجہ سے لال ہو رکھی تھی چہرہ اترا ہوا۔۔۔

امید آج نہ جاو تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے"۔"

ناشتہ کرنے کے بعد کنزہ نے اسے روکا تھا

میرے لئے ایک ایک لمحہ قیمتی ہے کنیز۔ تمہیں لگتا ہے میں تب تک" سکون کی سانس لے پاوں گی جب تک وہ گھٹیاں انسان نہیں مل جاتا۔ میں ایک دن بھی غیر حاضری نہیں کر سکتی۔ تم دونوں بھی اپنے گھر چلے جاو آرام کر لو میری وجہ سے تم لوگ بھی کل سے بے آرام ہو رکھے ہو"۔

اللہ حافظ امید"۔"

اللہ حافظ چوہیا"۔"

اللہ حافظ "۔"

دونوں سے مل کر وہ حویلی کے رستے پر روانہ ہو گئی تھی۔۔
حویلی میں داخل ہو کر وہ ایک ایک ملازم کو گہری نگاہ سے دیکھتی رہی

کوئی اس کے بابا کو بلاوجہ کیوں مارے گا کسی کی ان کے ساتھ کیا

دشمنی۔۔۔اتنے دنوں میں وہ اندازہ لگا چکی تھی کہ اس کے بابا اپنے کام

سے کام رکھتے تھے کسی بھی ملازم کے ساتھ ان کی کوئی ذاتی گفتگو نہیں

تھی۔۔۔

اس نے سوچا وہ حویلی کے ہر کمرے ہر کونے میں دیکھے گی کہی کوئی ایسی

چیز مل جائے جو بابا کے قاتل تک پہنچا سکے۔۔

تمہارے والد کا سن کر بے حد دکھ ہوا ہمیں "۔"

وہ علی مرزا کے کمرے کی صفائی کر رہی تھی جب وہ باہر سے آکر سنجیدہ اداس لہجہ لئے اس کے سر پر کھڑا ہوا۔۔۔

امید نے اس کے چہرے کے تاثرات ٹٹولے کیا وہ واقعی میں دکھی تھا یا دکھاوا کر رہا تھا اس نے سر جھٹک کر منفی سوچوں کو دور بھگایا تھا نہیں بڑا نواب اتنا ظالم تو نہیں۔۔۔

تمہیں چند دن آرام کرنا چاہئے تھا "۔"

میں ٹھیک ہوں "۔"

وہ پھر سے کپڑا لئے گرد صاف کرنے لگی۔۔

اچھا ہے تم اب بہتر ہو ہم کسی کام سے باہر جا رہے ہیں تم چاہے تو کمرہ" صاف کرنے کے بعد یہی رک سکتی ہو ہم تھوڑی دیر میں آجائیں گے "۔

جی"۔"

علی مرزا جا چکا تھا اس نے یہاں وہاں دیکھا بستر کے نیچے نظر دوڑائی المار ی چیک کی پورا کمرہ دیکھ لیا لیکن کچھ حاصل نہ ہوا خوامخواہ ہی بڑے نواب کے بارے میں غلط سوچا۔۔۔

کمرے سے باہر نکل آئی زینے اترتے اس کے قدم رکے کچھ سوچ کر دوبارہ سے اوپر گئی کئی کمرے تھے لیکن وہ کسی کے استعمال میں نہ تھے اوپر کے دو کمرے ہی کھلے ہوتے علی مرزا اور حسین مرزا کا۔ باقی کمروں میں جانے سے پہلے اس کے قدم حسین مرزا کے کمرے کی جانب بڑھے تھے۔۔۔ ہلکے سے دروازہ کھولا کمرے میں کوئی نہ تھا نا جانے وہ اپنے کمرے میں آتا بھی تھا کہ نہیں۔۔۔

اندر داخل ہوئی کمرہ پہلے کی طرح روشن تھا چھت پر لگے ستاروں کی رنگ برنگ چمک کمرے میں بکھری ہوئی تھی۔۔۔ اس نے کمرے

میں نظر دوڑائی ہر چیز دیکھی۔اترا چہرہ لئے واپس جانے کو پلٹی کہ دروازے کے پیچھے لٹکے کالی ہڈی پر نظر گئی جو اندر آتے ہوئے نہ دیکھ سکی تھی۔اس نے آگے بڑھ کر ہڈی کو قریب سے دیکھا

یہ-------یہ"۔وہ کیسے نہ پہچانتی بابا پر تیر چلا کر اس نے یہی ہڈی پہنے اس شخص کو بھاگتے دیکھا تھا بے یقین آنکھیں لئے اس نے ہڈی کو ہاتھ میں لئے دیکھا۔۔وہ دور سے اک نظر میں بھی اس ہڈی کو پہچان سکتی تھی۔۔۔

یعنی۔۔۔یعنی-----چچ-----چھوٹے نواب"

نے--------بابا کو مارا-----لیکن کیوں؟"۔

آنکھوں میں سرخی اُمڈ آئی تھی کاش وہ اس کے سامنے ہوتا تو وہ اپنے ہاتھوں سے اس کا گلا دبا دیتی یا تلوار سے سر قلم کر دیتی۔۔سبز آنکھیں شدید تکلیف،غصے،بے یقینی سے بھیگی تھی۔۔اس نے تو بس نواب

صاحب کے ظلم کے چرچے سنے تھے لیکن چھوٹا نواب۔۔۔۔جو عوام سے اپنی شناخت چھپائے ہوئے تھا وہ اس قدر ظالم تھا؟؟ تبھی اس نے آج تک اپنا آپ کسی کے سامنے ظاہر نہ کیا تھا۔۔۔۔۔

قاتل کا تو پتا چل گیا کہ چھوٹا نواب تھا لیکن وہ ہے کون کہاں ہے کیسے دکھتا ہے اسے اب یہ جاننا تھا۔۔

کہی تو اس کی تصویر ہو گی"۔"

اس نے پھر سے پوری الماری ٹٹول ڈالی لیکن کچھ نہ ملا۔۔۔سوچا علی مرزا سے باتوں میں حسین مرزا کی شناخت پوچھ لے گی یا تصویر دکھانے کو کہہ دے گی وہ واپس پلٹی تو نظر دیوار پر گئی جس کے سامنے باریک پردہ لگا تھا جس کے پیچھے اندازہ ہوتا تھا کہ کوئی بڑا فریم لگا ہے لیکن کیا ہے پردے کے پار سے واضح دکھائی نہیں دیتا تھا۔اس نے قدم

اس جانب بڑھائے دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتے ہاتھ کی کپکپاہٹ روکے آہستہ سے پردہ ہٹایا سامنے دیوار کی جانب دیکھا تو اوپر کی سانس اوپر نیچے کی نیچے رہ گئی ایسا لگا کمرے کی پوری چھت اس پر آ گری ہو بے یقین آنکھیں، خون آلود اور نفرت وغصے سے بھری نظر لئے وہ اس تصویر کو دیکھے گئی۔۔۔

بڑی سی فریم میں نوابی لباس زیب تن کئے سر پر کیپ پہنے ہاتھ میں گٹار پکڑے سنہری آنکھیں سکیڑے حسین مرزا کی مسکراتی ہوئی تصویر۔۔۔۔۔۔۔۔

"حسین۔"

لب کپکپائے۔۔۔

☆۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔☆۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔☆۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔☆

"مجھے آپ سے ملنا ہے چھوٹے نواب۔ کیا آپ شام ہونے سے پہلے اڑنگ کیل کے ندی کنارے آ سکتے ہیں۔ میں انتظار کروں گی۔
ذوالقرنین خانساماں کی بیٹی"۔

وہ تنہائی میں بابا کی یادوں کیساتھ وقت گزار کر سہ پہر کو حویلی لوٹا تھکن اور سر درد سے براحال تھا منہ ہاتھ دھو کر بنا کچھ کھائے بستر پر لیٹنے لگا تھا کہ نظر تکیے کے ساتھ پڑے فولڈ کئے گئے کاغذ پر پڑی۔۔۔ کھول کر دیکھا تو نیند اڑن چھو ہو گئی اپنے غم میں تو وہ بابا کی بیٹی کو بھول ہی گیا تھا اس سے زیادہ تکلیف میں تو وہ ہو گی اس کے ذہن میں اس سے ملنے کا

خیال کیوں نہ آیا اسے اس سے ملنا چاہئے تھا کاغذ فولڈ کر کے پوکٹ میں ڈالا سر پر کیپ لئے گردن کے گرد مفلر لپیٹے گھوڑا دوڑاتا اڑنگ کیل کی وادیوں کی طرف چل پڑا۔۔۔

نواب صاحب امید کو مارنا چاہتے تھے اس کا قصہ ختم کر دینا چاہتے تھے اس سب میں انہوں نے ذوالقرنین کو مارنے کا نہیں سوچا تھا لیکن جب ذوالقرنین نے اس کمرے کا راز جان لیا نواب صاحب کے اگلے قدم کا پتا چل گیا تو انہیں ذوالقرنین کو مارنا ہی پڑا مبادا وہ پوری عوام کو ساری اصلیت بتادیتے نواب صاحب جنہوں نے اتنی محنت سے اس حویلی کے رتبے تک خود کو پہنچایا اتنے عرصے سے سب راز رکھا سب خاک میں مل جاتا اس سے پہلے ہی انہوں نے فیصلہ بدلا امید کی جگہ نشانہ ذوالقرنین نے لے لیا۔اس بات سے انجان کہ وہ تو شروع سے سب

جانتے تھے اگر خاموش تھے تو اپنی بیٹی کو ہر خطرے سے بچانے کے لئے۔۔

امید سے بھی وہ نپٹتے لیکن موقع اور مناسب وقت پر پوری تیاری کے ساتھ۔۔ذوالقرنین کا پیچھا کرتے زخمی کرتے جب ملازم مایوس چہرہ لئے واپس لوٹے تو نواب صاحب نے علی مرزا کو بھیجا ذوالقرنین کا قصہ تمام کرنے اور وہ بھی چل پڑا اس نئے تماشے سے لطف اندوز ہونے یہ جانتے ہوئے کہ ذوالقرنین امید کے والد ہیں۔۔۔

شام کا اندھیرا ہونے سے پہلے ہی وہ سمندر کنارے پہنچ چکا تھا۔۔یہاں بہت کم لوگوں کا آنا جانا ہوتا تھا اور شام کے بعد تو کوئی بھی نہ آتا تھا ٹھنڈ بہت بڑھ جاتی تھی۔۔۔

وہ گھوڑا سائیڈ پر درخت کے ساتھ کھڑا کر کے آگے بڑھا وہ اتنی ٹھنڈ میں اسے سمندر کنارے پیٹھ اس جانب کئے کھڑی دکھائی دی پانی کی لہریں اس کے پاؤں کو چھو رہی تھی ٹھنڈ تھی لیکن اس کے اندر غصے اور نفرت کا لاوا ابل رہا تھا۔۔۔

"السلام وعلیکم"۔"

ذرا فاصلے پر دونوں ہاتھ باندھے کھڑا ہو گیا۔۔

"وعلیکم السلام"۔"

وہ مڑی حسین نے لب وا کر کے اسے دیکھا۔۔۔وہ تو بابا کی بیٹی سے ملنے آیا تھا امید یہاں کیا کر رہی تھی۔۔۔

"آپ؟"۔"

امید اس کی جانب بڑھی چند قدم کے فاصلے پر کھڑے ہو کر جن نظروں سے اسے دیکھا وہ سمجھنے سے قاصر تھا اور اگلے پل زوردار مکہ حسین مرزا کے گال پر پڑا تھا۔۔

وہ خود کو سنبھالتے لال ہوتے گال پر ہاتھ رکھے اسے دیکھے گیا۔۔۔

میں ذوالقرنین کی بیٹی ہوں امید"۔"

اسکی آنکھوں میں آنکھیں گاڑیں چبا کر الفاظ ادا کئے۔

وہ گنگ تھا امید ہی بابا کی بیٹی تھی یہ انکشاف اس کے لئے حیران کن تھا۔

لیکن یہ مکہ؟ کیا اس سے کوئی غلطی ہوئی تھی۔۔۔

آپ بابا کی بیٹی ہیں؟"۔"

گال کو سہلاتے سیدھا ہوا اس نے کیوں مارا معلوم نہیں لیکن اسے برا نہ لگا تھا۔

خبردار جو میرے بابا کو بابا بولا تو"۔"

انگلی اٹھاتے چیخ کر کہا۔۔ حسین مرزا سمجھ نہیں پایا وہ آخر اتنے غصے میں کیوں تھی۔۔۔

تم۔۔۔۔ تم نے میرے بابا کو مار دیا حسین مرزا"۔"

وہ تو اس کے الفاظوں میں الجھ سا گیا بابا کو مارا، اس نے۔ کیا کہہ رہی تھی وہ۔۔ کچھ سمجھ پاتا تو جواب دیتا۔۔

حسین مرزا! اوووو نہیں چھوٹا نواب "۔"

حسین نے حیرانی سے اسے دیکھا تو وہ جانتی تھی اسے۔ کیسے؟ زین نے بتایا ہو گا یا پھر بابا نے۔۔ لیکن اسے سمجھ نہیں آرہا تھا وہ اس سے اتنے اجنبی پن سے کیوں مخاطب ہو رہی تھی۔۔

اس نے آگے بڑھ کر حسین کا گریبان پکڑا۔۔

حسین مرزا! تم۔۔۔۔ تم نے میرے بابا کو مار دیا تم قاتل ہو میرے "بابا کے قاتل ہو تم"۔

اس کا گریبان جنجھوڑتے چیختے ہوئے کہا۔۔

بجلی زوردار آواز کے ساتھ گرجی اور سے زیادہ گرج حسین مرزا کے اندر گونجی تھی کیا کہہ رہی تھی وہ، کیا وہ ہوش میں تھی وہ اس پر بابا کے قتل کا الزام لگا رہی تھی یا پھر وہ ہوش میں نہیں تھا اسلئے ٹھیک سے سنائی نہیں دے رہا تھا۔۔۔

امید۔۔۔۔ جانتی بھی ہیں آپ کیا کہہ رہی ہیں"۔"

بڑی ہمت کے بعد اس کی آواز نکلی۔امید چند ثانیے اسے دیکھتی رہی پھر بادلوں کی گرج کے ساتھ اس کی ہنسی گونجی دکھ درد تکلیف غصہ نفرت میں ڈوبی خالی سی ہنسی۔۔۔ وہ اسے دیکھ کر رہ گیا کیا وہ مزاق کر رہی تھی آخر بات کیا تھی۔۔۔

حسین مرزا کیا میں تمہیں بے وقوف دکھتی ہوں۔ تم جو لوگوں سے "
اپنی شناخت چھپائے پھرتے ہو اچھی طرح جانتی ہوں کیوں۔ کیونکہ تم
ایک درندے ہو حیوان ہو یہی تمہارا اصلی چہرہ ہے "۔ سانس لینے کو رکی
آنکھیں بھیگنے لگی چہرے پر بارش اور آنسوں کے قطرے گھلنے لگے وہ
خاموش رہا اسے بولنے دیا جانا تھا وہ کیا بولنا چاہتی ہے۔۔ "تم نے
میرے بابا کو مار دیا میرے بابا کا سایہ چھین لیا مجھے یتیم بے سہارا کر دیا
میری دنیا اجاڑ دی کیوں۔۔۔ کیووووں ؟"۔ وہ باآواز روتے اس کی
طرف دیکھے چیخ پڑی تھی۔۔ حسین مرزا کا وجود زنجیر ہوا ہاتھ پاوں بے
جان ہونے لگے۔ بابا کا قتل ؟؟

وہ اس بات سے انجان تھا کہ بابا خود نہیں مرے بلکہ انہیں مارا گیا ہے۔۔اگر اسے پہلے ہی معلوم ہوتا تو اس نے اب تک قاتل کو ڈھونڈنے کے لئے کشمیر کے زمین و آسمان ایک کر دئے ہوتے۔۔۔

اور۔۔۔اور امید کیا کہہ رہی تھی۔بابا کا قتل حسین مرزا نے کیا۔۔۔

اگر حسین مرزا کے دل و دماغ میں کبھی ایسا خیال آ بھی جاتا تو وہ خود کو مار دیتا لیکن بابا پر ایک خراش تک نہ آنے دیتا۔۔

پر کیا وہ یہ بات امید کو سمجھا پائے گا۔۔

امید میں۔۔۔۔۔میں کیوں بابا کو ماروں گا"۔"

نم آنکھیں لئے اس کا کندھا تھامنا چاہا امید نے زور سے اس کا ہاتھ جھٹکا۔۔

چھو و مت مجھے گھٹیا انسان! قاتل ہو تم سمجھے۔میں تم پر یقین کرنے " لگی تھی تمہیں اپنا سمجھنے لگی تھی لیکن تم نے ایک ہی جھٹکے میں سب ختم

کر دیا میرے دل میں تمہارے لئے پیدا ہوتے خیالات کو چکنا چور کر دیا تمہارے بارے میں میرے سارے خیالات غلط نکلے مجھے لگا تم ایک اچھے انسان ہو لیکن تم درندے نکلے۔ تم میرے بابا کے قاتل ہو اور تمہیں سزا ضرور ملے گی جو حال تم نے میرے بابا کا کیا اسی طرح تڑپ تڑپ کر مرو گے تم"۔

وہ بے دردی سے اپنی آنکھیں رگڑتی جس نفرت سے پھنکاری تھی حسین مرزا کی روح تک فنا ہو گئی تھی۔

(وہ اسے برا بھلا کہے مارے نفرت کرے الزام بھی لگائے پر اس طرح خود کو تکلیف نہ دے)۔اس نے امید کے آنسوں پونچھنا چاہے لیکن نہ کر پایا آنکھیں مینچتے شدت کرب سے اس کے سسکنے کی آواز سنی تھی۔۔

تمہیں ایسے نہیں جانے دوں گی تم بھی تڑپو گے اور اس کی شروعات" تمہارے ہی والد کے ہاتھوں ہو گی میں انہیں مجبور کر دوں گی تمہیں سزا دینے پر تمہیں تمہارے ہی والد کے ہاتھوں سزا دلواوں گی تم بھی تو جانو تڑپ تڑپ کر مرنا کیسا ہوتا ہے اور آخری اختتام تمہارا میرے ہاتھوں ہی ہو گا"۔

اس کے ایک ایک لفظ سے نفرت کی چھنگاری پھنک رہی تھی آنکھیں خشک تھی ان میں اب شدید ترین نفرت اور غصہ تھا جو سامنے والے کی روح تک جلا دینے کے لئے کافی تھا۔

امید میں۔۔۔۔۔۔میں۔۔۔۔۔۔۔۔۔ قاتل نہیں ہوں"۔"

بے بس لہجہ۔

تم ہو۔ تم قاتل ہو میرے بابا کے۔۔اور اپنی زبان سے میرا نام مت لو" نفرت کرتی ہوں میں تم سے"۔

حسین مرزا نے درد سے آنکھیں میچ لی۔

میں نے نہیں مارا بابا کو۔۔۔۔۔ میں قاتل نہیں ہوں"۔"

امید جا چکی تھی وہ وہی زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔۔۔

بابا"۔۔"

آنکھ سے آنسو چھلکا۔ آواز لہروں کے شور میں کہیں کھو سی گئی۔۔

جانتے ہو سب سے زیادہ تکلیف دہ کیا ہے؟؟

مانوس لہجوں کا بدل جانا

جانی پہچانی نگاہوں کا پھر جانا

اپنائیت کو اجنبیت کا سفر طے کرتے دیکھنا

☆ــــــــــــ☆ــــــــــــ☆ــــــــــــ☆

محفلیں لٹ گئیں جذبات نے دم توڑ دیا
ساز خاموش ہیں نغمات نے دم توڑ دیا

ہر مسرت غم دیروز کا عنوان بنی
وقت کی گود میں لمحات نے دم توڑ دیا

ان گنت محفلیں محروم چراغاں ہیں ابھی
کون کہتا ہے کہ ظلمات نے دم توڑ دیا

آج پھر بجھ گئے جل جل کے امیدوں کے چراغ
آج پھر تاروں بھری رات نے دم توڑ دیا

جن سے افسانہ ہستی میں تسلسل تھا کبھی
ان محبت کی روایات نے دم توڑ دیا

جھلملاتے ہوئے اشکوں کی لڑی ٹوٹ گئی
جگمگاتی ہوئی برسات نے دم توڑ دیا

ہائے آداب محبت کے تقاضے ساغرؔ
لب ہلے اور شکایات نے دم توڑ دیا

☆_________☆_________☆__________☆

"کیا بات ہے امید جب سے آئی ہو کھوئی کھوئی سی ہو۔ کچھ پتا چلا حویلی میں"۔

گھر آکر حسب معمول کھڑکی کھولے بیٹھ گئی تھی۔۔ کنزہ اور زین اس کے گھر آئے تھے وہ اب زیادہ تر وقت اس کے پاس ہوتے وہ اسے اکیلا نہیں چھوڑ سکتے تھے۔۔۔

"زین کیا تم نے مجھ سے کبھی جھوٹ بولا ہے ؟"۔

چہرے کا رخ ہنوز باہر کی جانب تھا اس کی طرف بنا دیکھے پوچھا۔ زین اور کنزہ نے ایک دوسرے کے جانب دیکھ کر کندھے اچکائے۔

"کیا ہوا اچوہیا ایسا کیوں بول رہی ہو"۔

"سوال کے بدلے سوال نہیں زین۔ کیا تم نے مجھ سے کبھی جھوٹ بولا ہے یا کوئی بات چھپائی ہے؟"۔

وہ کھڑکی بند کر کے کنزہ کے ساتھ پلنگ پر آ بیٹھی زین بھی کرسی گھسیٹ کر ان کے سامنے بیٹھ گیا۔

"ہم دوست ہیں چوہیا۔ ہمارے بیچ کچھ بھی چھپا ہوا نہیں ہے میں نے تم سے کچھ نہیں چھپایا اور نہ ہی کبھی جھوٹ بولا"۔

"کیا تم جانتے تھے تمہارا وہ دوست حسین مرزا ہے چھوٹا نواب"۔

کنزہ نے حیرانی سے منہ پر ہاتھ رکھا زین نے اسے دیکھا اور اگلے پل سر جھکا گیا امید نے آہ بھری یعنی وہ اعتراف کر رہا تھا کہ وہ یہ بات جانتا تھا

۔۔

"کیوں زین۔ ہم تو دوست ہیں نا؟ اس دن تم نے جھوٹ کیوں بولا کہ وہ حسین مرزا نہیں ہے"۔

وہ۔۔۔۔درا اصل وہ اپنی شناخت لوگوں کے سامنے نہیں لانا چاہتا وہ "
عام لوگوں کی طرح ان کے بیچ رہنا چاہتا ہے نا کہ نواب بن کر "۔

غلط "۔اس کی آواز بلند ہوئی۔" وہ انتہائی گھٹیا انسان ہے اسلئے اپنی "
شناخت چھپائے ہوئے ہے "۔غصے سے کہا زین نے اسے دیکھا کیوں
بول رہی تھی وہ ایسا۔

کیا ہو گیا ہے چوہیا۔ تم دونوں کی لڑائی ہوئی ہے کیا "۔ "

زین احمد ! حسین مرزا قاتل ہے۔میرے بابا کا قاتل "۔ "

وہ چیخی۔زین اور کنزہ نے ایک ساتھ بے یقین نظروں سے اسے
دیکھا۔۔

کیا بول رہی ہو امید "۔ "

ہاں چوہیا۔ حسین اور قاتل ؟ نہیں۔ تمہیں ضرور غلط فہمی ہوئی ہے وہ" قتل نہیں کر سکتا"۔زین ماننے کو تیار نہ تھا وہ حسین مرزا کو جانتا تھا وہ تو راہ چلتے بھی احتیاط کرتا کہی چیونٹی کو پاؤں تلے نہ روندھ دے قتل کرنا تو دور کی بات۔۔۔

تمہیں کیسے یقین آئے گا دوست بن کر تمہاری آنکھوں میں دھول جو" جھونکتا رہا ہے"۔

اور امید نے انہیں حسین مرزا کے کمرے میں ملی ہڈی کی کارستانی سنائی۔دونوں کے لئے یقین کرنا مشکل تھا لیکن انہیں کرنا تھا۔۔

تم دونوں نے نہیں ماننا تو مت مانو لیکن وہی ہے جس نے بابا کو مارا۔اور" کل نواب صاحب سے میں انصاف مانگوں گی بابا کے قتل کا قاتل کو سزا دینے کا۔اور سزا کاٹنے کے بعد اپنے ہاتھوں سے اسے ماروں گی"۔

آنکھیں غصے کی شدت سے لال ہو رکھی تھی۔۔

ہم تمہارے ساتھ ہیں چوہیا۔ لیکن جو بھی کرنا سوچ سمجھ کر کرنا جلد "

بازی میں غلط قدم مت اٹھا دینا"۔

وہ دونوں اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ گئے وہ کبھی بھی امید کو اکیلا نہیں چھوڑ

سکتے تھے۔۔۔

فرش پر بیٹھے بیڈ سے سر ٹکائے بال بکھرے ہوئے چہرے پر آنسوں

خشک ہونے کے نشان سر درد سے پھٹ رہا تھا جسم بخار میں پھنک رہا تھا

سینے میں درد تھا تکلیف تھی۔۔۔

بابا کاش مجھے پتا چل جائے کس نے آپ کو مارا ہے میں اس درندے کو "

کتے کی موت ماروں گا"۔

آنکھیں موندی تو امید کی نفرت بھری نظر آنکھوں کے سامنے لہرائی پٹ سے آنکھیں کھولی زخم دل پھر سے تازہ ہونے لگا وہ اب تک بے یقین تھا جو کچھ امید کہہ گئی تھی۔۔۔

"جسم بخار سے تپ رہا ہے میرا۔ گال پر آپ کے مارنے کا نشان اب تک ہے سر درد کر رہا ہے لیکن آپ کے لہجے کی آپ کے نفرت بھری نگاہوں کی تکلیف زیادہ ہے۔۔ میں کیسے سہہ گیا آپ کا اجنبیت بھرا لہجہ۔ میں نے آپ کا یقین توڑا۔ میں آپ کے بھروسے کے قابل ہی نہیں ہوں۔ کتنا بد قسمت ہوں میں"۔

سر دونوں ہاتھوں میں گرا گیا۔۔۔

"یہ کیا حالت بنالی تم نے اپنی حسین۔ کیا ہوا ہے"۔

دروازہ کھلنے کے ساتھ علی مرزا کمرے کے اندر داخل ہوا اور اس کے پاس آکر بیٹھ گیا۔۔وہ اس کے کندھے پر سر رکھے رو دیا دل کا غبار آنسوں کی شکل میں باہر نکالا۔

بھائی۔۔بابا"۔"

علی مرزا کا حلق تک کڑوا ہوا اس کا چھوٹا بھائی ایک نواب ہو کے معمولی انسان کے جانے کا افسوس کر رہا تھا۔

صبر رکھو حسین۔موت اٹل چیز ہے سب کو آنی ہے۔تم ان کے لئے" مغفرت کی دعائیں کرو"۔

بھائی!ان کی بیٹی۔۔۔امید۔۔۔وہ سمجھ رہی ہے میں نے بابا کو" مارا"۔

اس سے الگ ہوا آنسوں پونچھے۔علی مرزا نے جھٹکے سے اسے دیکھا کیا کہہ رہی تھی وہ؟"۔"

کہہ رہی تھی تم میرے بابا کے قاتل ہو۔آپ ہی بتائیے میں بابا کو کیسے "
مار سکتا ہوں وہ میرے عزیز تھے۔۔اور بھائی میں تب تک چین سے
نہیں بیٹھوں گا جب تک قاتل کو پکڑ کر اس کو سزا نہیں دلوا دیتا"۔وہ خود
سے عہد کر چکا تھا بابا کے قاتل کو ڈھونڈ کر اسے تڑپا تڑپا کر مارے گا۔۔۔
تم اپنا حلیہ ٹھیک کرو اور آرام کرو ہم چلتے ہیں"۔"
علی مرزا نے جاتے ہوئے پلٹ کر گہری پر سوچ نظر اس پر ڈالی
تھی۔۔۔

☆_________☆_________☆_________☆

وہ صبح اپنے وقت پر حویلی پہنچی تھی لیکن آج رخ زینوں کی بجائے شاہی ہال کی طرف تھا۔نواب صاحب اسے اپنے سامنے کھڑا دیکھ کر حیران ہوئے تھے کیا وہ جان گئی تھی اس کے بابا کے ساتھ ہوئے ظلم کے پیچھے ان کا ہاتھ تھا۔۔

نواب صاحب آپ سے گزارش ہے انصاف کریں"۔"

بنا سر جھکائے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔۔اور اس کی یہی ہمت نواب صاحب کے وسوسے بڑھا دیتی تھی۔۔

کہو کیا بات ہے"۔"

میرے بابا کو مارا گیا ہے مجھے انصاف چاہئے قاتل کو سزا دی جائے"۔"

نواب صاحب نے اسے دیکھا نواب کے سامنے کھڑے ہو کر کس دلیری سے وہ انصاف اور سزا کی بات کر رہی تھی۔۔۔انہوں نے اپنے

تاثرات قابو میں کئے کرسی سے اٹھے اور اس کے سامنے کھڑے

ہوئے۔۔

ہم قاتل کو ڈھونڈ نکالیں گے اور سزا دیں گے آپ بے فکر "

ہو جائیے"۔

ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں مجھے معلوم ہے قاتل کون ہے آپ بس "

انصاف کیجئے"۔

وہ اسے دیکھ کر رہ گئے کیا وہ نواب صاحب کے سامنے کھڑے ہو کر اسی

کا ہی نام لے گی یا پھر ان کے چہیتے صابزادے علی مرزا کا۔

کون ہے وہ؟"۔"

آپ کے چھوٹے صابزادے حسین مرزا"۔"

وہ بنا ڈرے کہے گئی۔ نواب صاحب چند پل کچھ بولنے کے قابل ہی نہ

رہے یعنی وہ اصل گناہنگار کے بارے میں نہیں جانتی تھی۔۔۔

وہ پر سوچ نظروں سے اسے دیکھنے لگے پھر پلٹ کر کرسی پر آ بیٹھے۔

ہم ضرور انصاف کریں گے۔۔ حسین مرزا کو بلایا جائے"۔"

ساتھ کھڑا ملازم فورا گیا تھا اور کچھ وقت بعد حسین مرزا ان کے سامنے نظریں نیچے کئے کھڑا تھا۔ علی مرزا بھی اس کے ساتھ اندر داخل ہوا تھا اور مسکراہٹ دباتے کرسی پر بیٹھ گیا۔۔

امید نواب صاحب کے تاثرات اور انداز دیکھ رہی تھی کیا فیصلہ کرنے والے تھے وہ۔۔

حسین مرزا! ذوالقرنین کی بیٹی کا کہنا ہے کہ تم نے اس کے والد کا قتل" کیا۔ کیا یہ سچ ہے؟"۔

آواز ہال میں گونجی حسین نظریں نیچی کئے خاموش رہا بولنے کا فائدہ تھا ہی نہیں وہاں موجود ہر کسی نے وہی ماننا تھا جو وہ سوچتے تھے اسے معلوم تھا اگر اس نے ابو کے سامنے کہہ دیا کہ وہ قاتل نہیں ہے تو وہ بھی امید

کی طرح یقین نہیں کریں گے۔۔اسے تب تک خاموش رہنا تھا جب تک اسے قاتل کے بارے میں پتا نہ چل جاتا۔۔

"تمہاری خاموشی بتا رہی ہے تم اس کے ذمہ دار ہو۔ہم انصاف کریں گے چاہے جرم ہمارے صابزادے نے ہی کیوں نہ کیا ہو۔تو تم بتاو اپنے والد کے قاتل کے لئے کیا سزا منتخب کرنا چاہو گی ؟"۔

نواب صاحب نے امید کی جانب دیکھا اور امید نے حسین کی جانب جو لب بھینچے چپ چاپ کھڑا تھا۔۔

"نواب صاحب ! سزا منتخب کرنا آپ کا کام ہے۔میں بس اتنا کہنا چاہوں گی کہ سزائے موت کے علاوہ کوئی بھی سزا دیجئے اور یہ سزا حویلی کے اندر ہی دیجئے باہر کے لوگوں کو اس کی بھنک نہ پڑے"۔

"ٹھیک ہے۔اس کو قید خانے میں لاو"۔

نواب صاحب آگے بڑھے دو ملازم حسین مرزا کو بازو سے پکڑے ان کے پیچھے چل پڑے تھے۔۔۔

امید نے نم آنکھوں سے اسے جاتے دیکھا۔

تم خود کو تکلیف مت دو کنیز۔ تمہارے گناہنگار کو سزا ضرور ملے گی" چاہے وہ ہمارا بھائی ہی کیوں نہ ہو۔ تم بے فکر رہو"۔

وہ اس کے سامنے آن کھڑا ہوا

جی"۔"

آنسوں پونچھتے اس نے قدم ہال سے باہر بڑھائے تھے۔۔

حویلی کے تہہ خانے میں بڑا سا قید خانہ تھا جہاں سزا دینے کے لئے ہمیشہ بے گناہ لوگوں کو ہی چنا جاتا۔۔ ملازم نے اس کے دونوں ہاتھ زنجیر سے باندھ دئے تھے وہ چپ چاپ ایسا ہونے دے رہا تھا۔

حسین مرزا کو قتل کے جرم میں یہ سزا دی جاتی ہے کہ جب تک "
ذوالقرنین کی بیٹی کہہ نہیں دیتی وہ یہی بند رہے گا اور روزا سے پچاس
کوڑے مارے جائیں گے "۔

نواب صاحب نے سزا سنا دی۔ جو بھی تھا وہ ایک نواب تھا اور یہ سزا اس
کے لئے بہت بڑی تھی پر وہ خاموش رہا۔۔۔

نواب صاحب کے اشارے سے قید خانے کا ملازم ہاتھ میں کوڑا لیکر اسکی
جانب بڑھا۔ علی مرزا مسکراہٹ رو کے اس کے ساتھ ہونے والی
زیادتیاں دیکھ رہا تھا۔

آآآآآآہ "۔ "

چابک پڑنے سے پورے کمر میں سرسراہٹ سی پھیل گئ تکلیف سے
آنکھیں بھر آئی امید نے اپنے ہاتھ کی مٹھی کو زور سے بند کیا تھا۔۔
کوڑے پڑتے رہے وہ درد سے چلاتا رہا امید کے لئے مزید دیکھنا مشکل

ہو رہا تھا۔ وہ اس کے والد کا قاتل تھا ظالم انسان تھا اسے سزا مل رہی تھی اس کو تو خوش ہونا چاہئے تھا پر وہ خوش نہیں تھی بے چینی سی ہو رہی تھی حسین کی تکلیف پر اسے کیوں درد ہو رہا تھا اس کے لئے دیکھنا کیوں محال ہو رہا تھا ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا پر ایسا ہو رہا تھا۔ یہ تو ابھی سزا کی شروعات تھی اسے تو حسین مرزا کو تڑپا تڑپا کر مارنا تھا پھر کیوں وہ کمزور پڑ رہی تھی۔۔۔

آج۔۔۔۔آج کے لئے اتنا کافی ہے"۔"

بھراتی آواز سن کر حسین مرزا پر پڑتا چابک رکا۔۔

بنا اس کی طرف دیکھے وہاں سے نکل آئی۔

امید"۔"

لب ہلکے سے ہلے آواز کہی اندر ہی دبک کے رہ گئی۔۔

دردد ینے کا تجھے بھی شوق تھا بہت

اور پھر دیکھ ہم نے بھی سہنے کی انتہا کر دی

☆_________☆_________☆_________☆

گھر جا رہی ہو؟"۔"

بیرونی گیٹ کی طرف بڑھتے قدم بڑے نواب کی آواز پر رکے تھے۔

جی۔آپ کو کچھ کام تھا؟"۔"

نہیں آج جلدی جا رہی ہو اس لئے پوچھا"۔"

طبیعت تھوڑی ناساز ہے۔لیکن کل وقت پر آجاوں گی"۔"

ہمیں تم سے کچھ بہت ضروری کہنا ہے۔ جانتے ہیں یہ مناسب وقت" نہیں ہے تم ابھی اپنے والد کے غم میں ہو لیکن بتانا بھی ضروری ہے ہم اس حوالے سے مزید دیری نہیں کر سکتے"۔

جی بولے"۔امید کو اس کا انداز کچھ عجیب سا لگا۔"

"ہم تمہیں پسند کرنے لگے ہیں"

ہاتھ پیچھے کو باندھے گردن کڑائے شان بے نیازی سے کہا گیا۔امید نے منہ کھولے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھا لیکن چند لمحوں میں وہ خود کے تاثرات پر قابو پا چکی تھی۔۔وہ فی الحال ان جھنجھٹ میں نہیں پڑنا چاہتی تھی اسے تب تک خود کو ایسے جذبات سے دور ہی رکھنا تھا جب تک وہ ساری سچائی نہیں جان پاتی بابا کے آخری الفاظ،وہ لاکٹ اسے الجھائے ہوئے تھے اور اسے اس الجھن سے نکلنا تھا۔حسین مرزا کو سزا دینے کے بعد بھی بے چینی سی ہونا کچھ تو تھا جو غلط سا ہو رہا تھا اسے ان باتوں

کی تہہ تک پہنچنا تھااور تب تک اسے ایسے جذبات سے خود کو دور رکھنا

تھا۔۔

سوچنے کے لئے وقت دیجئے بڑے نواب"۔"

سپاٹ چہرے کیساتھ کہتے وہ باہر نکل گئی۔

سوچنے کے لئے وقت ؟یعنی کچھ تو محسوس کرتی ہے وہ ہمارے بارے "

میں"۔

جاتے ہوئے امید نے اس کے دل میں اک امید جگادی تھی۔۔

آپ کی دی گئی سزا سر آنکھوں پر لیکن میں خود پر شرمندہ ہوں کہ "

آپ مجھ پر یقین نہیں کر پائی۔میں بابا کو۔۔۔۔

قتل؟۔۔۔۔۔ناممکن"۔

ہاتھ زنجیر سے بندھے سوج چکے تھے صبح سے شام ہونے کو آئی تھی لیکن کسی نے اس کی خبر تک نہ لی کمر کی تکلیف اب قدرے کم ہو چکی تھی لیکن جو دل و روح میں درد تھا وہ کیسے ختم ہو؟؟

میں نے تمہاری بات مانی ہے
میں نے منایا دل کو ہے کیسے

قید خانے کے سناٹے میں اس کی درد بھری آواز گونجی جو یقیناً حویلی میں موجود لوگوں نے سن کر بھی ان سنی کر دی ہو گی۔

اب سے رہو تم خوش جہاں بھی ہو
میرا تمہارا تھا بھی کیا ویسے

اس کی آواز گٹار کے دھن کے بغیر بھی سریلی تھی اور اگر کوئی محسوس کرنے والا ہوتا تو اس کے آواز میں چھپے درد کو ضرور محسوس کرتا۔

بھلے دوری رہے جتنی
نگاہوں سے نگاہوں کی
مگر خوابوں کی دنیا میں
ملوں گا تم سے روزانہ

رات کی تاریکی، سناٹے بھرے ماحول میں اس کی آواز کسی کو بھی سحر زدہ کر سکتی تھی اگر وہاں کوئی موجود ہوتا۔

تمہیں میں بھول جاوں گا

یہ باتیں دل میں نہ لانا

کبھی میں یاد آوں تو

چلے آنا چلے آنا

تہہ خانے کے پاس سے گزرتے لوگوں نے چند لمحے کھڑے ہو کر اسکی گنگناہٹ سنی۔بس چند لمحے۔۔۔

تھکتے بے جان وجود کے ساتھ زمین پر بیٹھ گیا ہاتھ مسلسل زنجیر سے بندھنے کی وجہ سے بے حد سوج اور تھک گئے تھے۔۔

اس کے سوچوں کے پردے میں بس دو ہی چہرے لہرا رہے تھے

بابا اور امید۔۔۔

بے بسی سے آنسوں چھلک پڑے۔

☆___________☆___________☆___________☆

"او چوہیا میرے ساتھ چلو جلدی"۔

"لیکن کہاں؟"۔

"میں نے بڑے نواب کو نواب صاحب کے کمرے کی طرف جاتے دیکھا ہے یقیناوہ ایسی کوئی بات کریں گے جن سے ہمیں کوئی سراغ مل سکے۔ میں جانتا ہوں تم بڑے نواب کو برا نہیں سمجھتی لیکن ایک بار میری تسلی کے لئے چل لو"۔

اگلے دن زین اور کنزہ بھی اس کے ساتھ حویلی آ گئے تھے اس کے سر میں درد تھا کمزوری سی محسوس ہو رہی تھی وہ اپنی دوست کو ایسی حالت

میں جانے نہیں دے سکتے تھے لیکن وہ چھٹی بھی نہیں کر رہی تھی اس لئے وہ دونوں اس کے ساتھ آ گئے تھے۔

امید نے نواب صاحب سے کہا کہ وہ اس کے دوست ہیں حویلی دیکھنے آئے ہیں اور انہوں نے کوئی اعتراض نہ کیا۔۔

بڑے نواب سے اجازت لیکر وہ باغیچے کی طرف آئی مرجھائے ہوئے چہرے کے ساتھ کھلتے ہوئے پھولوں کو دیکھ رہی تھی جب زین اور کنزہ بھاگتے ہوئے وہاں آئے تھے۔

لیکن ہم کیسے سنیں گے ان کی باتیں اور انہیں بھنک بھی پڑ گئی نا تو" ہماری خیر نہیں"۔

تم بس چلو"۔"

وہ دونوں اس کا ہاتھ پکڑ کر باغیچے کے دوسری طرف لے آئے تھے جہاں سے نواب صاحب کے کمرے کی کھڑکی دکھائی دے رہی تھی اور یہ زین پہلے ہی دیکھ چکا تھا اس لئے امید کو وہاں لے آیا۔
وہ تینوں کھڑکی سے دو قدم کے فاصلے پر دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو گئے۔۔

دروازہ تو بند کر دیتے علی"۔"
نواب صاحب کی بات پر کرسی سے اٹھ کر دروازہ بند کیا اور واپس کرسی پر براجمان ہو گیا۔ کھڑکی کے پٹ کھلے ہوئے تھے اس لئے اندر کی آواز انہیں سنائی دے رہی تھی۔
کونسی کتاب پڑھ رہے ہیں آپ؟"۔"

نواب صاحب بستر پر بیٹھے تکیے کیساتھ ٹیک لگائے آنکھوں پہ چشمہ ڈالے مصروف سے لگ رہے تھے۔

"کتاب ؟ارے نہیں یہ تو پرانی تصویریں ہیں بس دل کیا تو سوچا دیکھ لے"۔البم بند کر کے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی۔

"تم ہمیں بتانے والے تھے اس کے بارے میں جسے تم چن چکے ہو چلو بتاو پھر کون ہے وہ کہاں کی رئیس زادی ہے"۔

چشمہ اتار کر البم کے اوپر رکھا۔ علی مرزا نے گلا کھنکارا۔

"ہماری کنیز۔امید"۔

زین اور کنزہ نے لب وا کر کے امید کی جانب دیکھا اور امید کا دل دھڑ کا یعنی وہ واقعی میں اس کے لئے سیر یس تھا جو بنا جھجکے کہہ ڈالا۔

"تمہاری کنیز ؟"۔

نواب صاحب بستر سے اٹھے تھے۔ علی مرزا کو اک کنیز سے محبت ہوئی تھی کیا یہ بات ماننے لائق تھی؟ ان کے بیٹے کو معمولی لڑکی پسند آئی تھی کیا وہ یہ بات چپ چاپ مان لیتے؟

علی مرزا! تم ہمارے ساتھ کوئی مزاق تو نہیں کر رہے؟"۔"

نہیں ابو۔ میں اس معاملے میں سنجیدہ ہوں"۔"

وہ بھی کرسی سے اٹھا تھا۔ دونوں باپ بیٹا اب آمنے سامنے تھے۔۔

تم شاید بھول رہے ہو تم حسین نہیں علی مرزا ہو۔ اور تم شاید یہ بھی" بھول رہے ہو کہ وہ معمولی اور تم ایک نواب ہی سہی لیکن اگر وہ تمہاری اصلیت جان لے تو وہ تمہیں ہرگز پسند نہیں کرے گی"۔

زین اور کنزہ نے سوالیہ نظروں سے امید کو دیکھا وہ تو خود انجان تھی کیسی اصلیت؟

"اور اس بارے میں اسے بتائے گا ہی کون ابو۔اسے کبھی اس بارے میں معلوم نہیں پڑے گا"۔

"اگر ہم بتادے تو؟"۔

"آپ ایسا کیوں کریں گے ؟"۔

"ہم ایسا کیوں نہیں کر سکتے ؟ ہم نہیں چاہتے کہ معمولی گلیوں کی معمولی لڑکی ہماری حویلی کی بہو بنے اس لئے ہم ایسا بلکل کر سکتے ہیں اور اس معاملے میں ہم یہ تک نہیں دیکھیں گے کہ تم ہمارے اکلوتے صابزادے ہو"۔

نواب صاحب خون پاش نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ علی مرزا نے بمشکل اپنے غصے کو قابو کیا۔اور باہر وہ تینوں سوچ میں پڑ گئے کہ اکلوتا بیٹا؟

اس لڑکی کو انجان ہی رہنے دو علی مرزا۔ اگر وہ صرف شک کی بنیاد پر "

حسین کو سزا دلوانے کے لئے آواز اٹھاتی ہے تو جب اسے اصلیت

معلوم ہو گی کہ اس کے باپ کا قتل حسین نے نہیں بلکہ حویلی کے

بڑے نواب علی مرزا نے کیا ہے تو تمہاری پسندیدگی پر تھوکنا بھی پسند

نہیں کرے گی وہ اس لئے جاگو ہوش میں آؤ اپنا رتبہ پہچانو اور اس دو

کوڑی لڑکی سے دور رہو"۔

اور امید نے قتل علی مرزا نے کیا کے آگے جیسے کچھ سنا ہی نہیں پل بھر

لگا تھا اسے بات کو سمجھنے میں یعنی اسے بے وقوف بنایا گیا اس نے بے گناہ

شخص کو سزا دی قاتل کے آس پاس رہ کر بھی پیچان نہ پائی۔۔

علی مرزا"۔"

دل میں اک لاوا ابل پڑا تھا اسے لگا اگر آج اس نے اس خبیث انسان کو

جانے دیا تو بہت بڑی غلطی ہو گی اس نے قدم کھڑکی کی جانب بڑھائے

کہ کنزہ نے فوراً اس کے منہ پر ہاتھ رکھا اور زین نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بمشکل پیچھے کیا اس نے خود کو چھڑانے کی کوشش کی دونوں اسے اپنے ساتھ کھینچتے ہوئے اصطبل کی طرف لے آئے یہاں کوئی نہیں تھا۔

وہاں لا کر دونوں نے اسے چھوڑا۔۔

پاگل ہو گئے ہو؟"۔ چیخ پڑی۔ "تم۔۔۔۔ تم دونوں نے مجھے نہ روکا" ہوتا نا تو اپنے ہاتھوں سے علی مرزا کا گلا دبا دیتی میں۔۔ وہ بابا کا قاتل ہے ایسے جانے دوں کیا؟ کیوں بچا رہے ہو اس کو۔ اب مت روکنا مجھے"۔

وہ پلٹی کہ زین سامنے آن کھڑا ہوا۔

ہوش میں آؤ چوہیا"۔ کندھوں سے پکڑ کر جھنجھوڑا۔ "میں نے تمہیں" خبردار کیا تھا کہ جلد بازی میں کوئی بھی قدم مت اٹھانا"۔ غصہ بھرا لہجہ۔ "اور وہی غلطی تم پھر سے دہرا رہی ہو۔ ہم اسے نہیں بچا رہے بس تمہیں غلط کرنے سے روک رہے ہیں۔ اسے سزا دیں گے ضرور دیں

گے پر ایسے نہیں۔ پچھلی بار تم نے غلطی کی بے گناہ کو سزا دی۔ اگر ہم بابا کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے ایسے ہی بنا سوچے سمجھے غلط سہی کو جانے بغیر قدم اٹھائیں گے تو یہ تو ہم بابا کیساتھ زیادتی کر رہے ہیں۔ جلد بازی میں اٹھایا گیا قدم سہی نہیں ہوتا۔ سوچو سمجھو فیصلہ کرو پھر آگے بڑھو"۔

وہ اسے سمجھا رہا تھا اور وہ شاید سمجھ بھی رہی تھی لیکن خود کو اتنا لاچار پہلے کبھی محسوس نہیں کیا۔

وہ زمین پر بیٹھتی چلی گئی آنسوں چہرہ بھگونے لگے کنزہ نے آگے بڑھ کر اسے خود سے لگایا۔

میں کیا کروں۔ کیا کروں"۔ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔"

پہلے تو رونا بند کرو۔ چڑیل لگ رہی ہو"۔"

زین نے پنجوں کے بل بیٹھ کر اسے ٹہوکا دیا۔اس نے خود پر قابو کر کے اپنے آنسو پونچھے۔

"یہ علی مرزا۔ کتنا اچھا اور نیک سمجھا تھا میں نے اسے لیکن ۔۔۔اور نواب صاحب وہ جانتے تھے قاتل ان کا بڑا بیٹا ہے لیکن پھر بھی انہوں نے حسین کو سزا دی۔ایک نواب ظالم ہو سکتا ہے بڑی بات نہیں لیکن ایک باپ اس قدر بے رحم کیسے ہو سکتا ہے۔اور میں کتنی بے وقوف ہوں میں نے۔۔۔۔۔میں نے اسے بنا کسی قصور کے سزا دلوائی۔اس بات کا افسوس مجھے زندگی بھر رہے گا"۔

آواز بھرائی تھی ذہن کے پردے میں حسین مرزا کا بے بس لہجہ گونجا تھا جو خود کے بے گناہ ہونے کا دعوی کر رہا تھا۔۔

کنزہ نے اس کا ہاتھ تھام کر کھڑا کیا۔

"دیکھو چوہیا! تم یہی چاہتی تھی کہ قاتل کو خود مارو تو وہ تب ہی ہو گا جب تم خود کو مضبوط کرو گی۔ خود کے تاثرات اور غصے پر قابو پاو گی تبھی دشمن کا سامنا کر پاو گی۔ ہم اسے ضرور سزا دیں گے لیکن یوں اچانک نہیں ابھی ہمیں بابا کے آخری الفاظ کی اور اس چین کے پیچھے کی پوری کہانی جاننی ہے۔ تم سمجھ رہی ہو نا میں کیا کہنا چاہ رہا ہوں"۔

"ہاں میں سمجھ رہی ہوں"۔

"بہت اچھے۔اب تم اندر جاو نواب صاحب کے پاس اور اپنے تاثرات پر قابو رکھنا اور ان سے جا کر کہو کہ حسین کی سزا ختم کر دے"۔

"اور اگر انہیں کچھ شک ہو گیا تو؟ کہ امید اچانک سزا ختم کروا رہی ہے بابا کے قاتل کو بس اتنی سی سزا۔تو؟"۔ کنزہ نے کہا۔

ہو سکتا ہے۔انہیں عجیب لگ سکتا ہے اور کیا پتا وہ اس متعلق ایسا ویسا "
کچھ پوچھ بھی لے پر ہماری امید اتنی سمجھدار تو ہے کہ بات سنبھال
سکے۔ہے ناامید "۔

میں کوشش کروں گی"۔"

یہ ہوئی نا بات۔اب تم پہلے اپنے آنسوں پونچھوں چہرے کے تاثرات "
سہی کر واور اندر جاو ہم یہی پر تمہارا انتظار کریں گے "۔

ٹھیک ہے "۔"

اس نے آنسوں پونچھے مسکرانے کی کوشش کی۔

اچھا سنو چوہیا"۔"

قدم آگے بڑھائے کہ نا جانے زین کو کیا بات یاد آ گئی۔

اب کیا ہے ؟"۔"

وہ جھنجلاتے ہوئے مڑی۔

اپنی بات کر کے واپس یہاں آنا ان کیساتھ قید خانہ جانے کی غلطی "

مت کرنا ورنہ وہ سوچیں گے کہ قاتل کے لئے اتنی ہمدردی کہ اسے

دیکھنے جا رہی ہو"۔

اس نے اثبات میں سر ہلایا اور قدم اندر کو بڑھائے۔۔

نواب صاحب"۔"

بولو"۔"

انہیں کمرے سے نکلتا دیکھ کر ان کے روبروں کھڑی ہوئی علی مرزا بھی

ان کے پیچھے کمرے سے نکلا۔

حسین مرزا کی سزا کی مدعت میری مرضی پر طے کی گئی ہے میں چاہتی "

ہوں آپ ان کی سزا ختم کر دیں"۔

دونوں باپ بیٹا نے ایک ساتھ اسے دیکھا۔

وہ آپ کے صابزادے ہیں میرے خیال سے ایک نواب کے لئے اتنی" سزا کافی ہو گی"۔

ٹھیک ہے۔ وہ تمہارا گناہنگار ہے اس لئے تم اسے سزا دے اور لے سکتی" ہو۔ ہم ابھی قید خانے کے ملازموں کو حکم دیتے ہیں کہ اسے آزاد کر کے اپنے کمرے میں لے جائے"۔

انہوں نے تہہ خانے کی جانب قدم بڑھائے علی مرزا نے ترچھی نگاہوں سے اس کے چہرے کو دیکھا اور ان کے پیچھے ہو لیا۔

امید نے اداس دل کیساتھ واپسی کو قدم لئے۔۔۔

☆۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔☆۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔☆۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔☆

پردہ آنکھوں سے ہٹانے میں بہت دیر لگی
ہمیں دنیا نظر آنے میں بہت دیر لگی
نظر آتا ہے جو ویسا نہیں ہوتا کوئی
خود کو یہ بات بتانے میں بہت دیر لگی

"بابا سب اتنا مشکل کیوں ہوتا جا رہا ہے۔ کیوں غلط ہو رہا ہے مجھ سے"۔ بابا کی تصویر کو ہاتھ میں پکڑے نم آنکھوں سے دیکھے جا رہی تھی۔۔ زین اپنے گھر چلا گیا تھا کنزہ اس کے ساتھ رکی تھی وہ سو چکی تھی لیکن امید کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی اس نے بابا کا بکس کھولا جس میں ان کی ہر چیز موجود تھی

وہ ایک ایک چیز کو اٹھاتی سینے سے لگاتی یادیں تازہ کرتی پھر واپس رکھ دیتی۔ بکسے میں پرانی چادر پڑی تھی جسے ہاتھ میں لئے اسے یاد آیا اس نے

کس قدر ضد کی تھی یہ چادر لینے کی ٹھنڈ بہت ہوتی تھی ان کے پاس چادر نہ تھی وہ ہمیشہ امید کی ہر ضرورت پوری کرنے کی کوشش کرتے خود کی پرواہ نہیں کرتے تھے ایک دن بابا کے ساتھ دکان پہ آ کے یہ چادر لینے کو کہا بابا نے نظر انداز کرنا چاہا پر اس نے وہ چادر لیکر ہی دم لیا اور روز خود انہیں جانے سے پہلے اوڑھواتی تھی۔ پرانے جوتے بھی اک ڈبے میں پڑے تھے جن کے لینے کا قصہ بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ ایک پرانے کپڑے میں لپٹی کچھ تصویریں تھیں بابا اور اس کی ساتھ میں یادیں۔ وہ نم آنکھوں سے ایک ایک تصویر دیکھتی رہی۔ اس کی ہر سالگرہ پر نئے انداز میں لی گئی تصویریں گلیوں میں بچوں کے ساتھ کھیلتی ہنستی تصویریں بابا کا اسے مسکراتے ہوئے دیکھنے کی تصویریں۔ اور یہ کام یقیننا زین کرتا تھا پورے علاقے میں وہی تو تھا جس کے پاس کیمرہ تھا اور ہر لمحہ کیمرے میں قید کرتا امید کی تصویریں اس نے بابا کو

دی تھی۔ ساری تصویریں دیکھنے کے بعد آخری تصویر ہاتھ میں لی تو چونک سی گئی۔

ہاتھ میں گٹار پکڑے پندرہ سالہ حسین مرزا اور ان کے کندھے پر ہاتھ ڈالے مسکراتے ہوئے بابا۔ جس طرح دونوں ساتھ کھڑے تھے معلوم ہوتا تھا دونوں ایک دوسرے کے کس قدر قریب ہیں۔

وہ تو نواب ہے بابا نواب کے ساتھ ایسے۔ وہ کتنے خوش لگ رہے ہیں" جیسے دونوں بہت عزیز ہوں ایک دوسرے کے"۔ وہ یک تک اس تصویر کو دیکھ رہی تھی۔ اگر ایسا تھا تو اس پر اک غلط فہمی کی بنیاد پر ایسا الزام لگا کر کس قدر بڑی غلطی کی تھی اس نے۔ اس کی پیشمانی مزید بڑھ رہی تھی اسے یاد آیا جب وہ اسے جانے کیا کچھ الٹا سیدھا بول گئی اور اس پر کیا بیتی ہو گی اسے اب محسوس ہو رہا تھا۔

بابا آپ کے لئے انصاف کرتے اک گناہ بھی سر لے لیا میں نے۔ میں" کچھ نہیں کر پاؤں گی جب تک میں اس سے معافی نہیں مانگ لیتی۔ اس کی معافی دئے بنا میں آگے نہیں بڑھ پاؤں گی۔ یااللہ! مجھے ہمت دینا اس بار مجھے غلطی سے بچائے رکھنا تو میری ہر معاملے میں مدد کرنا"۔

آنکھیں موند کر ان میں آئی نمی کو روکا۔۔۔

وہ اپنے کمرے میں کرسی پر بیٹھے سر پیچھے کو گرائے آنکھیں موندے ہوئے نڈھال سا پڑا تھا شدت پیاس سے گلے میں کانٹے چبھ رہے تھے دو دن سے کچھ کھایا بھی نہ تھا۔

کمرے کا دروازہ کھلنے کے ساتھ نواب صاحب اندر داخل ہوئے تھے وہ ہنوز آنکھیں موندے ہوئے تھا وہ آگے بڑھے اور اس کے سامنے کھڑے ہوئے۔

"پانی دے دو پہلے"۔ بند آنکھوں سے کہا گیا۔

"آنکھیں کھولو اپنی"۔

اس نے اک دم سے آنکھیں کھولی۔

"ابو آپ؟"۔اٹھنے کی کوشش کی لیکن ٹانگوں نے ساتھ نہ دیا۔

"بیٹھے رہو۔ ہم بس تم سے یہ پوچھنے آئے ہیں کہ تم تو خود کو عام انسان سمجھتے ہو اور ذوالقرنین کے ساتھ تو تمہاری الگ ہی انسیت تھی پھر تم نے ایسا کیوں کیا۔ کوئی بات ہوئی تھی کیا لڑائی جھگڑا وغیرہ؟"۔

"ابو۔۔۔"۔اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن خاموش ہو گیا وہ فی الحال اپنی صفائی نہیں پیش کر سکتا تھا۔

اس دوران ملازم کھانے کی ٹرالی گھسیٹتے ہوئے اندر آیا۔نواب صاحب نے ٹرالی پر نظر ڈالی۔جگ میں سادہ پانی، سوپ، کٹا ہوا سیب اور انگور کے کچھ دانے۔

"کیا ہے یہ سب ؟تو آج تمہیں یاد آیا تم نواب ہو جو خود لانے کے بجائے کمرے میں کھانا منگوالیا"۔انہوں نے جیسے طنز سا کیا۔

"ابو میری ہمت نہیں ہو رہی تھی چلنا مشکل ہو رہا تھا اس لئے"۔

"کام بھی تو ایسا کیا ہے۔یہ سزا تو بہت کم ملی ہے تمہیں نا جانے کیوں اس نے تمہاری سزا ختم کر دی۔اور تم"۔وہ اب ملازم کی جانب مڑے تھے جو میز پر کھانا رکھ رہا تھا انکی آواز پر ہاتھ رکے۔"دستر خوان ہٹا دو آج کے بعد حسین مرزا کے کمرے میں کھانے کا ایک دانہ بھی نہیں آئے گا"۔ملازم نے فوراسے بیشتر ٹرالی میں سامان واپس رکھا۔

"ابو۔۔۔پانی۔۔۔پانی تو دے دیجیے"۔اس نے جیسے التجا سی کی۔

ان کے اشارے پر ملازم نے گلاس میں پانی ڈال کر اسے دیا جو وہ ایک ہی سانس میں پی گیا۔ملازم اب ٹرالی لیکر باہر جا چکا تھا۔۔

تم اس کمرے سے باہر نہیں نکلو گے اور اگر ہمیں ذرا بھی بھنک پڑی تو" بہت برا ہو گا"۔ پانی سے بھرا جگ میز پر رکھ کر وہ باہر نکلے۔ وہ پھر سے سر پیچھے کو گرائے ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔

☆_____☆_____☆_____☆

تم دونوں آج میرے ساتھ نہیں چلو گے۔ میں آج اکیلی جاوں گی"۔ "

لیکن امید_____"

مجھے حسین سے معافی بھی مانگنی ہے۔ آگے بڑھنے سے پہلے مجھے اپنی " غلطی کو دھونا ہے۔ اس بوجھ کے ساتھ میں آگے نہیں بڑھ پاوں گی"۔

بہت اچھا چوہیا۔اب لگ رہا ہے میری دوست ہو تم سمجھدار ہوتی" جا رہی ہو"۔زین نے ہنستے ہوئے کہا امید نے آنکھیں دکھائی جس پر اس کی بتیسی فوراً اندر ہو گئی۔۔

دونوں کو الوداع کہہ کر وہ حویلی کے راستے پر نکل پڑی۔اگر اس نے معاف نہ کیا تو،نواب صاحب سے کہہ کر مجھے ہی سزا دلوا دی تو،مجھے باتیں سنائی تو،،پورا راستہ اس نے انہی سوچوں میں کاٹا تھا۔۔

چمکتے تلوار کو دیکھتے گہری سوچ میں گم تھا۔آج اس کی طبیعت تھوڑی بہتر ہوئی تھی البتہ کمر پر اب بھی نشان اور جلن باقی تھی۔اس نے ارادہ کیا وہ کسی بھی طرح نواب صاحب سے چھپ کر حویلی سے باہر نکلے اور قاتل کو ڈھونڈنے کا مشن شروع کر دے۔

کمرے کا دروازہ ہلکے سے آواز کے ساتھ کھلا۔اور پھر بند ہو گیا۔۔

اسے لگا ابو یا بھائی ہوں گے اور پھر سے اسے باتیں سنائیں گے اسلئے بنا اس طرف دھیان دئے تلوار کو دیکھتا رہا۔ کچھ دیر خاموشی رہی تو مڑ کر دیکھا اور دیکھتا رہ گیا چند پل لگے تھے اسے سنبھلنے میں۔

آپ یہاں کیا کر رہی ہیں"۔"

وہ جلدی سے آگے بڑھا کھڑکی کے پٹ جلدی سے بند کئے پردے گرائے وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسائے اس کی کارستانی دیکھ رہی تھی۔

آپ کو یہاں نہیں آنا چاہئے تھا"۔"

جلدی سے دروازے کی کنڈی لگائی اور اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

کتنے دنوں بعد وہ اس ظالم جاں کو دیکھ رہا تھا۔

مجھ سے اتنی نفرت کرنے لگے ہو کہ میری شکل تک دیکھنا گوارا"

نہیں"۔

حسین نے لب وا کر کے اسے دیکھا۔ نفرت؟ وہ نفرت کی بات کر رہی تھی حسین مرزا کی محبت میں تو اس کے الزام لگانے کے بعد بھی کمی نہ آئی تھی۔

میں اس لئے کہہ رہا ہوں اگر کسی کو معلوم پڑ گیا آپ یہاں ہیں خاص" کر ابو کو تو آپ کے کئے مشکل ہو جائے گی"۔

مجھے معاف کر دو"۔ آنکھوں میں نمی اتر آئی۔ "میں بہت شرمندہ" ہوں بنا سوچے سمجھے بنا جانے تمہیں غلط قرار دے دیا۔ مجھے معاف کر دو حسین۔ مجھے معاف کر دو"۔ اس کے قدموں میں بیٹھے ہاتھ جوڑے رو دی تھی۔ حسین مرزا نے اسے دیکھا کیا وہ واقعی اس پر یقین کرنے لگی تھی اس بات سے اسے کس قدر تسکین پہنچی تھی۔ آگے بڑھ کر اسے کندھوں سے تھام کر کھڑا کیا اس کا سر پیشمانی سے جھکا ہوا تھا جو حسین مرزا کو ہرگز منظور نہ تھا۔

آپ کی جگہ قدموں میں نہیں ہے (میرے دل میں ہے)"۔ اگلی بات دل میں کہی۔ "اور میں آپ سے غصہ یا ناراض ہرگز نہیں ہوں۔ اس وقت حالات ہی ایسے تھے کہ آپ کو سمجھنے کا موقع نہ ملا۔ آپ معافی مت مانگے اس میں آپ کی غلطی نہیں ہے"۔

امید نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا وہ جو سوچ آئی تھی اگر وہ نہ مانا تو وہ اس کی منت کرے گی قدموں میں بیٹھ جائے گی بابا کی قسم دے گی خدا کا واسطہ دے گی، سب سوچ ہوا ہو گئی تھی۔

اتنی حیرانی سے کیوں دیکھ رہی ہے مجھے"۔ سر کھجایا۔"

"تم۔۔۔۔ تم نے مجھے واقعی میں معاف کر دیا نا؟"

وہ اسے دیکھ کر رہ گیا کیا کہہ رہا تھا وہ ابھی اسے پھر بھی وہ ایسا سوال کر رہی تھی۔

ہاں"۔ مختصر جواب اور امید کے دل سے جیسے مانو بہت بڑا بوجھ اتر گیا" ہو اک گہری سانس خارج کی اور چمکتی کھلکھلاتی آنکھوں سے اسے دیکھا ۔کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ تھی اسکی آنکھیں بیان کر رہی تھی اک چھوٹے سے ہاں نے کیسے اس کی مرجھاہٹ ختم کر دی تھی۔ حسین مرزا اگر ناراض ہونا بھی چاہتا تو نہ ہو پاتا۔۔

میں بے کار میں پریشان ہو رہی تھی پتا نہیں تمہارا ردعمل کیا ہو گا تم" اسے انا کا مسلہ نہ بنا دو لیکن تم تو بہت اچھے ہو"۔وہ مسکراتے ہوئے بولی۔۔انا کا مسلہ ؟کاش وہ اسے بتا پاتا وہ تو اس سے عشق کے اس انتہا پر پہنچ گیا ہے کہ انا کا مسلہ کہیں پیچھے چھوڑ آیا ہے۔

تو آپ یہاں معافی مانگنے آئی تھی ؟"۔"

جی"۔"

ویسے آپ کو اس بات کا یقین کیسے ہوا کہ میں بے قصور ہوں؟ کیا آپ " کو قاتل کا پتا چل گیا ہے؟"۔اس کے سوال نے امید کو بوکھلا دیا تھا۔وہ اسے کیسے بتاتی قاتل اس کا اپنا بھائی ہے کیا وہ اس کی بات پر یقین کر کے اپنے بھائی کو قاتل مان لیتا؟؟۔ حسین نے اس کا پل بھر میں بدلتا رنگ دیکھا جو صاف واضح کر رہا تھا کہ کچھ تو جان گئی ہے وہ۔

ابھی تلاش جاری ہے بہت جلد اسے پکڑ کر سزا دلواوں گی"۔"

نگاہیں پھیریں۔"میں اب چلتی ہوں اور بہت بہت شکریہ معافی دینے کا"۔اس نے جانے کو قدم بڑھائے۔

امید! میں بھی بابا کے قاتل کو سزا دینے کے لئے اتنا ہی بے قرار ہوں" جتنا کہ آپ۔ کیا ہم مل کر اسے سزا نہیں دے سکتے؟"۔

امید نے مڑ کر اسے دیکھا۔

تم بھی چاہتے ہو بابا کے گناہنگار کو سزا ملے؟"۔"

"ہاں"۔

"ٹھیک ہے۔پہلے قاتل کا پتا لگواو۔ہم ساتھ آگے بڑھیں گے بدلہ لیں گے لیکن قاتل کے بارے میں تم خود معلوم کرو میں چاہتی ہوں تم خود کی تصدیق پر اسے پہچانو نا کہ میرے کہنے پر۔جب تم جان جاو اور اسے سزا دینا چاہو تو ہم مل کر کریں گے۔ٹھیک؟"۔

"ٹھیک ہے"۔اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

امید نے الوداع کہہ کر باہر کو قدم بڑھائے۔۔

علی مرزا نے اسے حسین مرزا کے کمرے سے نکلتے دیکھا تھا۔۔

☆__________☆__________☆__________☆

کنزہ اور زین کے بے حد اصرار کرنے پر وہ حویلی سے چھٹی کر کے ان کے ساتھ میلے آگئی تھی۔ کافی وقت بعد اس نے میلے کی رونق کو دوبارہ دیکھا۔ خوشیاں اور رونقیں تو جیسے بابا کے ساتھ ہی چلی گئی اس کا دل اب ایسی جگہوں پر نہ لگتا تھا لیکن دوستوں کے لئے آنا پڑا۔

یہ لو گرما گرم پکوڑے"۔ وہ کرسیوں پر بیٹھی تھیں زین نے پلیٹ ان" کے سامنے کی۔

میرا دل نہیں ہے"۔ کنزہ نے لے لیا جبکہ امید نے منع کر دیا۔"

تمہارے دل کی تو ایسی کی تیسی"۔ پکوڑا زبردستی اس کے منہ میں" ٹھونسا۔ غصے سے اسے دیکھتے پکوڑا منہ میں ہونے کی وجہ سے کچھ کہہ بھی نہ پائی۔

جادو جادو جادو۔ ہم آپ کو دکھائیں گے انوکھا جادو"۔"

ایک طرف سے آواز آئی۔

چلو چل کر دیکھتے ہیں"۔زین اٹھ کھڑا ہوا"

تم لوگ جاو میں تھوڑی دیر میں آتی ہوں تھک گئی ہوں چل چل"

کے"۔

وہ دونوں چلے گئے۔وہ وہی پرانی یادوں کے ساتھ بیٹھی رہی۔

السلام وعلیکم امید"۔جانی پہچانی آواز کانوں میں گونجی سر اٹھا کر"

سامنے دیکھا۔

وعلیکم السلام۔تم یہاں کیسے ؟"۔"

بس ایسے ہی سوچا تھوڑی باہر کی ہوا کھالوں۔کیا میں یہاں بیٹھ "

جاوں ؟"۔

جی ضرور"۔"

وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

آپ اکیلے آئی ہے ؟"۔"

زین اور کنزہ بھی ہے یہی کوئی تماشہ دیکھنے گئے ہیں"۔"

آپ کیوں نہیں گئی؟"۔"

بس ایسے ہی تھک گئی تھی چل چل کے"۔"

بابا سہی کہتے تھے انکی بیٹی کے بہانے بڑے عجیب ہوتے ہیں"۔"

وہ مسکرایا۔ وہ حیرانی سے اسے دیکھے گئی۔ اگر اس کے بابا کسی کے ساتھ انکی بیٹی کے حوالے سے ذاتی باتیں تک شئیر کریں تو وہ کوئی عام شخص تو نہیں ہو سکتا۔

بابا اور تم ایک دوسرے کے بہت قریب تھے کیا؟"۔"

اس نے پوچھا۔

بہت۔ میں اپنی ہر بات بابا کو بتاتا تھا اپنا ہر سکھ دکھ۔ اور بابا بھی مجھ سے" بہت باتیں کیا کرتے ان کی زیادہ تر باتوں کا ذکر ان کی بیٹی کے حوالے

سے ہوتا جو صاف ظاہر کرتا تھا وہ اپنی بیٹی سے کس قدر محبت کرتے ہیں"۔ حسین نے جواب دیا۔

ایسا شخص جو بابا کے اتنا قریب ہو کہ وہ اپنا سب کچھ اس سے شئیر کریں تو ایسے انسان پر وہ آنکھ بند کر کے بھی بھروسہ کر سکتی تھی۔ہاں وہ حسین مرزا پر اب خود سے بھی زیادہ بھروسہ کر سکتی تھی۔

کیا تم میری مدد کرو گے ؟"۔بنا سوچ و بچار کے اپنی بات اس کے" سامنے رکھ دی دل میں آس لئے کہ وہ اسے منع نہیں کرے گا وہ کر ہی نہیں سکتا تھا۔

جی بلکل۔کیسی مدد؟"۔اس نے بھی بنا سوچے ہامی بھر لی تھی۔"

امید نے گلے سے لاکٹ اتار کر اس کے سامنے کیا۔

اس میں جو تصویر ہے اس کا تعلق حویلی سے ہے اور مجھے ان کے "
بارے میں جاننا ہے"۔ حسین نے لاکٹ ہاتھ میں لیکر اسے کھولا جن
میں لگی تصاویر اسے جانی سی لگی لیکن پہچان نہ پایا۔

شاید میں انہیں دیکھ چکا ہوں لیکن پہچان میں نہیں آرہا"۔اس نے "
لاکٹ امید کو واپس پکڑایا۔ "لیکن میں آپکی مدد ضرور کروں گا۔آپ
کل حویلی میں دوسرے پہر کو اصطبل کی طرف آجانا میں آپ کو
بتادوں گا کیا کرنا ہے"۔امید نے پر سکون سانس خارج کی اگر حسین
نے اس کی مدد کرنے کی ہامی بھر لی تھی تو وہ جو بھی ہو جیسا بھی ہو اس کی
مدد ضرور کرے گا۔۔

بہت شکریہ"۔امید نے کہا۔"

چوہیا نے حسین کو شکریہ بولا؟ بڑی بات ہے۔ویسے کس بات پہ؟"۔"
زین اور کنزہ اسی وقت وہاں آئے تھے زین نے پیچھے سے اسے ٹھوکا دیا۔

کبھی تو انسانوں والی حرکتیں کیا کرو کنزہ کے چمچے "۔ وہ اچھا خاصا" تلملائی جوا با زین نے بتیسی نکالی وہ بس اسے دل ہی دل میں کوس کر رہ گئی۔

اور سنا حسین کیسے ہو تم ؟"۔ وہ اب اس کے پاس جاکر کر بولا۔ "

بس تمہاری دوست کے انوکھے کارنامے کے بعد کیسا ہو سکتا ہوں" میں"۔ مسکراتے ہوئے کہا اشارہ اس کے دیئے گئے سزا کی طرف تھا۔

امید نے شرمندگی سے سر جھکا لیا کیا وہ زندگی بھر اب یہ بات نہیں بھولے اور اس پر یوں ہی طنز کرتا رہے گا۔

بھائی تمہیں تو پتا چل ہی گیا ہو گا اس کی بد دماغی کا بس تم معاف کر دیا" کرو اسے"۔ مسکراہٹ روکتے ہوئے زین نے اسے چھڑانے کی کوشش کی چڑھنے کے بجائے اس کا چہرہ شرمندگی سے مزید اتر گیا تھا۔

کنزہ نے اشارے سے اسے روکا اس نے امید کے مرجھائے چہرے پر نگاہ ڈالی اور پھر حسین کو دیکھا۔ دونوں کو ہی ان کا مزاق بھاری پڑا تھا۔

"ویسے چوہیا تم نے بتایا نہیں تم حسین کو کس بات کا شکریہ کہہ رہی تھی؟"۔ بات پلٹی۔ امید نے اپنے تاثرات نارمل کرنے کی کوشش کی۔
"اس چین کے حوالے سے میں نے حسین سے مدد مانگی اور یہ مدد کرنے کو راضی ہو گیا اس لئے میں شکریہ ادا کر رہی تھی"۔
امید نے کہا۔
"اووو اچھا یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ چلو اس خوشی میں کچھ کھاتے ہیں اور مہربانی کر کے اس بار چلنے سے منع مت کرنا چلو حسین تم بھی چلو"۔
کنزہ نے امید کا ہاتھ پکڑا دونوں پیچھے تھی جبکہ زین اور حسین ان سے چند قدم آگے چل رہے تھے۔

سنو دوست"۔"

ہاں بولو"۔"

اگر امید نے تم سے مدد مانگی ہے تو تم اس کے لئے عام شخص بلکل"
نہیں ہو سکتے اسلئے زندگی کے کسی موڑ پہ اسے مایوس مت کرنا"۔

زین نے کہا۔

کبھی نہیں"۔ حسین نے فوراجواب دیا تھا۔"

☆۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔☆۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔☆۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔☆۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔☆

کہاں تھے تم؟ میں کب سے تمہاراانتظار کر رہی تھی"۔"

کتنی دیر سے وہاں چکر کاٹتے بالآخر وہ اسے آتا دکھائی دیا۔

کب سے کر رہی تھی؟"۔ دونوں ہاتھ سینے پر باندھے۔"

تمہیں مزاق سوجھ رہا ہے؟"۔ جھنجھلاتے ہوئے بولی۔"

نہیں تو۔ ویسے بابا سہی کہتے تھے"۔"

کیا کہتے تھے؟"۔ فورا پوچھا"

یہی کہ ان کی بیٹی کا غصہ تو اس کی ناک پر بیٹھا ہوتا ہے"۔ بڑے آرام" سے کہہ کر اس کے غصے کو مزید ہوا دینے کی کوشش کی گئی۔

یہی کھڑا رہنا ہے کیا۔ ویسے ہم جائیں گے کہاں"۔ خود پر کنٹرول کیا۔"

کتاب خانے"۔"

کتاب خانے کیوں؟"۔"

وہاں جا کر بتاتا ہوں"۔"

وہ آگے بڑھا وہ اس کے پیچھے ہو لی۔ بڑی سی حویلی کے جانے کن کن راستوں سے گزر کر ایک جگہ پر بڑی سی تصویر کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ نواب صاحب کی رعب دار تصویر۔

تم مجھے یہ تصویر دکھانے لائے ہو"۔"

حسین نے گہری سانس لیتے اس کی جانب دیکھا۔

بابا کہتے تھے ان کی بیٹی میں صبر نام کی چیز ہی نہیں ہے۔ تھوڑا تو آرام" رکھیں"۔

اس نے آگے بڑھ کر فریم کو تھوڑا دیوار سے کسکایا تو ایک گول پہیہ سا دکھائی دیا پہیا گھمانے پر وہاں کے دیوار میں راستہ سا بنا۔ امید ہونقوں کی طرح منہ کھولے دیکھ رہی تھی۔ حسین نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر کیا اور دروازہ بند کر دیا۔

اس نے دیکھا بڑا سا ہال نما کمرہ جو چاروں طرف بک شیلف سے بھرا ہوا ہر طرف دھول ہی دھول تھی جیسے کافی وقت سے کوئی وہاں آیا ہی نہ ہو۔

کتاب خانے کے لئے بھی خفیہ راستہ بنایا جاتا ہے کیا"۔ وہ اب تک " حیران تھی۔

شاید نہیں لیکن یہاں کا کتاب خانہ بہت مختلف ہے۔ اگر آپ کو لگتا" ہے یہاں ادبی کتابیں ہوں گی تو آپ غلط سمجھ رہی ہے "۔

تو پھر کیسی کتابیں ہیں؟"۔"

یہاں حویلی کا برسوں سے چلا آتا تاریخ موجود ہے۔ پہلے کے نوابوں " کا۔ وہ کیسے نواب بنے ان کی زندگی کے بارے میں سب اور کیسے وہ اختتام کو پہنچے۔ یعنی کہ صدیوں سے آتے ہر نواب کی زندگی پر بنی کتاب یہاں موجود ہے "۔

دلچسپ"۔"

آپ کی چین میں جو تصویر ہے میں نے سوچا کیا پتا یہ یہاں کے نواب" رہ چکے ہوں اگر ایسا ہے تو انکی کتاب بھی یہاں موجود ہو گی جن سے ان کے بارے میں جاننے کو مل سکتا ہے اس لئے میں آپ کو یہاں لے آیا"۔ وہ آگے بڑھ کر ایک ایک کتاب اٹھا کر اس کے پہلے پیج پر موجود تصویر کو دیکھتا اور دوبارہ رکھ دیتا۔

اووو یہ میں نے کیوں نہیں سوچا" امید نے اپنا ہاتھ ماتھے پر مارا اور" حسین مرزا کی زبان پھر سے کھجلی تھی کچھ کہنے کو۔

بابا نے ایک اور بات بھی بولی تھی"۔"

کیا؟"۔ وہ بھی کتاب اٹھا کر اس پر سے دھول صاف کر کے دیکھنے لگی۔"

یہی کہ ان کی بیٹی کا دماغ کافی کسکا ہوا ہے ضروری باتوں پر سوچتی نہیں" اور جو کام کرنے کے نہیں ہوتے ان کو بنا سوچے سمجھے کرتی ہے پھر بعد میں اپنا سر پیٹتی رہ جاتی ہے"۔

بالوں میں انگلیاں پھیر کر سنجیدگی سے کہا گیا۔

امید نے زور سے کتاب پٹخی۔

"مجھے سمجھ نہیں آتا بابا میری تعریف کرتے تھے یا بے عزتی۔اور وہ بھی تمہارے سامنے"۔منہ کا زاویہ بگاڑتے آگے بڑھی حسین نے بمشکل اپنی مسکراہٹ روکی تھی چہرے پر سنجیدگی کا خول چڑھائے اس کے پیچھے ہولیا۔۔

وہ کیوں گئی تھی اس کے کمرے میں"۔"

تیر ہاتھ میں پکڑے ایک آنکھ بند کر کے سامنے کھڑے ملازم کے سر پر موجود سیب کو نشانہ بنایا۔

"اور حسین نے ہمیں کیوں یہ بات نہیں بتائی۔ وہ لڑکیوں سے فاصلہ رکھنے والا اس نے امید کے اس کے کمرے میں جانے پر ہنگامہ کیوں نہ کیا"۔

تیر کمان سے نکل کر سیب کے دو ٹکڑے کر چکا تھا۔ ملازم کے پسینے چھوٹ رہے تھے وہ اب اس کے سر پر دوسرا سیب رکھوا چکا تھا۔

"امید نے سوچنے کے لئے وقت کیوں مانگا اور ابھی تک اس نے جواب بھی نہیں دیا کیا اس کی وجہ حسین مرزا ہے"۔

اس بار تیر سیب کو چھو کر گزرا تھا اس کا نشانہ غلط ہو چکا تھا پہلی بار۔ ملازم کو جانے کا اشارہ کیا تیر کمان میز پر رکھ کر آئینے کے سامنے کھڑا ہوا۔

تم دونوں ہمیں جوابدہ ہو۔ لیکن یاد رہے ہمارا وسوسہ سہی ثابت نہ ہو"

ورنہ۔۔۔۔"۔آنکھوں میں اک الگ ہی جنون اتر آیا تھا۔۔۔

امید یہ دیکھے یہ وہی تصویر ہے نا جو چین میں ہے"۔"

کئی کتابیں دیکھنے کے بعد اک کتاب پر سے دھول صاف کر کے کھولی تو پہلے صفحے پر ہو بہو وہی تصویر دکھائی دی۔

ہاں یہی ہے"۔"

نوابی لباس زیب تن کئے مرد اور ان کے پہلو میں کھڑی شاہی لباس پہنے عورت۔نیچے ایک سطر میں لکھا تھا۔

معاذالدین اور بیگم نگینہ '۔'

تو میری سوچ سہی تھی یہ واقعی میں نواب تھے چلو آگے دیکھتے ہیں"۔"

صفحہ پلٹا دونوں کے منہ کھلے دوسرا صفحہ پلٹا تیسرا پھر چوتھا۔

"یہ کیا؟ ہر صفحے کی لکھائی پر سیاہی گری ہوئی ہے کوئی بھی لفظ ایسا نہیں جو پڑھنے قابل ہو"۔

"ایسا لگتا ہے سیاہی جان بوجھ کر گرائی گئی ہے"۔ حسین نے بغور کتاب کے صفحوں کو دیکھا۔

"لیکن کوئی کیوں ایسا کرے گا"۔

"معلوم نہیں"۔

"اب کیا کریں"۔ وہ مایوس سی ہوئی

"کوئی بات نہیں۔ کم از کم یہ تو معلوم ہوا وہ یہاں کے نواب تھے۔ آگے کی کہانی بھی کسی طرح جان لیں گے۔ ویسے آپ نے اس تصویر میں کوئی بات محسوس کی؟"۔

"کیسی بات؟"۔

آپ کی شکل ان سے ملتی جلتی ہے۔ایسا لگتا ہے آپ کا ان سے کوئی" رشتہ ہے"۔اس نے حیرانی سے تصویر کو دیکھا وہ پہلے کیوں نہ اتنی گہرائی سے دیکھ پائی تھی وہ واقعی کافی حد تک ان سے مشابہت رکھتی تھی ناک کا نقشہ وہی، آنکھوں کا رنگ وہی، مسکراہٹ وہی۔۔وہ یک تک اس تصویر کو دیکھ رہی تھی۔

"زیادہ مت سوچ۔چلے اب چلتے ہیں اگر ابو کو معلوم پڑ گیا بہت گڑ بڑ ہو جائے گی۔باقی کی بات آرام سے سوچ لیں گے"۔وہ اسے لیکر باہر نکل آیا۔۔۔

☆__________☆__________☆__________☆

باغیچے میں ذرا سی چہل قدمی کرنے میں اتنی دیر لگتی ہے کیا"۔"

کتاب خانے سے نکل کر حسین تھوڑی دیر قبل ہی اسے یہاں چھوڑ گیا اور وہ یہی کھڑی معاذالدین کی خود کے ساتھ مشابہت میں الجھی ہوئی تھی جب علی مرزا کی آواز پر چونک پڑی۔

چلو چھوڑو ہمارا سر دباو درد کر رہا ہے"۔"

کرسی پر بیٹھ گیا۔

(کاش اس چین کی پہیلی سلجھ گئی ہوتی تو آج اپنے ہاتھوں سے تمہارا سر نہیں بلکہ گلا دباتی)۔

کرسی کے پیچھے کھڑے ہو کر سر دبانا شروع کیا۔

تم نے ابھی تک جواب نہیں دیا کنیز"۔آنکھیں موندلی تھی۔"

کیسا جواب"۔"

ہماری باتیں تم نظرانداز کیسے کر سکتی ہو"۔"

مجھے سچ میں سمجھ نہیں آیا آپ کس بات کا جواب مانگ رہے ہیں"۔"

اسے واقعی میں سمجھ نہ آیا تھا۔

وہی بات جس پر تم نے سوچنے کے لئے وقت مانگا تھا"۔"

مسکراتے ہوئے موندی آنکھوں سے کہا گیا۔

امید نے اپنے اندر بہت سارا غصہ ضبط کیا تھا۔اس کی بس ہو رہی تھی بابا کا کہا سہی تھا وہ بہت بے صبر ہے۔اور اتنی بے بسی کہ وہ اپنے گناہنگار کا سر دبا رہی ہے اس کی خاطر کر رہی ہے آخر کب تک وہ اپنے دشمن سے نرم لہجہ اختیار رکھتی۔آخر کب تک ؟؟

میں نے سوچا بڑے نواب اور میرا جواب 'نہ' ہے۔میں کنیز کے آگے " کوئی بھی رشتہ نہیں رکھنا چاہتی آپ کے ساتھ"۔صاف گوئی سے دئے گئے جواب نے علی مرزا کی آنکھیں پٹ سے کھول دی تھی ان آنکھوں

میں خون سا اتر آیا تھا فوراً اٹھ کر اس کے سامنے کھڑا ہوا امید کے ہاتھ پیچھے ہوئے تھے۔

"ہمیں ٹھکرانے کی تمہاری ہمت کیسے ہوئی۔اپنی اوقات تو دیکھی ہوتی۔تم خود کو خوشقسمت سمجھو جو ہم تمہیں چن رہے ہیں"۔اس کے سامنے کھڑے ہو کر خون آلود نظر اس پر ڈالی وہ بھی بابا کی بیٹی تھی خود کی بے عزتی سہنا تو بابا نے سکھایا ہی نہ تھا پھر کیسے چپ رہتی۔

"آپ ہوں گے نواب لیکن میری اوقات کی بات مت کیجیئے اور میں لعنت بھیجتی ہوں ایسی پسند پر جو سامنے والے کی ذات کی بے عزتی کریں"۔بنا ڈرے بنا جھجھکے اس نے اپنی بات کی۔

"اپنی نظریں نیچے کرو لڑکی"۔غصے سے کہا۔"ہم چاہتے ہیں تمہاری آنکھوں میں ہمارے لئے ڈر ہو"۔تیور بدل گئے تھے اپنے جنون میں

لوٹ آیا تھا اس کی انا کو گوارا نہ تھا کوئی لڑکی اس کے سامنے بنا ڈرے گردن تانے کھڑی رہے۔

"میں کیوں ڈروں تم سے۔ میں صرف اس کل کائنات کے رب سے ڈرتی ہوں ان خاک سے بنے انسانوں سے کیوں ڈرا جائے۔ اور تم۔۔۔۔۔ تم سے تو نفرت ہے غصہ ہے تم پر تم ہو گے لوگوں کے لئے نواب لیکن میرے لئے تم مٹی سے بنے ڈھیر سارے غرور سے بھرے اور ظالم ترین انسان ہو جو میرے بابا کو مارتے ہوئے ایک پل کو نہیں ہچکچایا"۔ چیختے ہوئے اندر کی بھڑاس نکال لی تھی۔

اوووتو اس لئے تم ہمیں ٹھکرا رہی ہو کہ ہم نے تمہارے باپ کو مارا"۔" وہ ہنسا۔ امید نے اسکی بھیانک ہنسی کو حقارت سے دیکھا۔

"تم تو کافی ہوشیار ہو سب جانتی ہو۔ ویسے یہ "۔ ہاتھ سے اس کے گلے میں لٹکے چین کی جانب اشارہ کیا۔ "کافی وقت سے دیکھ رہا ہوں اسے کیا

اس کے بارے میں بھی جانتی ہو"۔آگے بڑھ کر اس کے چین کو چھونا چاہا امید نے دو قدم پیچھے لئے تھے۔

ارے نہیں لیں گے ہم اسے۔ویسے ہم جانتے ہیں اس کے بارے میں" لیکن ہم بتائیں گے نہیں۔اور اگر اس بارے میں نواب صاحب کو معلوم پڑ گیا تو تمہارا سر قلم کرنے میں ذرا بھی دیر نہیں لگائیں گے۔اور اب ہم یہی کریں گے تم ہماری توہین کرو گی سزا بھی تو پاو گی نا اب دیکھو کیا ہوتا ہے تمہارے ساتھ"۔وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر باغیچے سے باہر نکلنے لگا۔

میرا ہاتھ چھوڑو"۔ہاتھ چھڑانے کی بہت کوشش کی لیکن گرفت" مضبوط تھی وہ اسے گھسیٹتے ہوئے لیکر جا رہا تھا۔

جاو نواب صاحب کو کہو پرانے کمرے میں آئے جلدی ہم نے بلایا" ہے"۔راستے میں ملازم کو حکم دے کر اس کمرے کی جانب بڑھا جہاں

نواب صاحب اور علی مرزا کے علاوہ کوئی نہیں آ سکتا تھا صرف ان دونوں کے پاس ہی دروازے کی چابی موجود تھی۔ دروازہ کھول کر امید کو اندر دھکا دیا وہ گرتے گرتے بچی۔ علی مرزا نے آگے بڑھ کر کمرے کی ساری بتیاں روشن کی امید نے چاروں طرف نظر دوڑائی اور دیوار پر بڑی سی تصویر پر نظریں ٹک گئیں منہ کھولے دیکھ کر رہ گئی جلدی سے چین کھول کر اس کے اندر موجود تصویر کو دیکھا اور پھر دیوار پر بڑے سے فریم میں موجود تصویر کو۔

معاذالدین"۔"

اس کے لب واہوئے۔۔

کیا بچکانہ حرکت ہے یہ علی تم اسے یہاں کیوں لائے ہو"۔"

نواب صاحب کمرے میں آئے تھے۔۔

ابو آپ اس کے گلے میں لٹکے چین کو دیکھئے آپ خود سمجھ جائیں "
گے "۔ نواب صاحب نے آگے بڑھ کر اس کے گلے سے چین کھینچنا چاہا
امید نے فورا اس پر ہاتھ رکھ دیا۔
یہ میرا چین ہے "۔ وہ دو قدم پیچھے ہوئی۔ نواب صاحب نے چین پر "
نظر ڈالی آنکھیں حیرانی اور بے یقینی سے کھلی رہ گئی یہ چین وہ کیسے نہ
پہچانتے۔۔
یہ تمہاری چین ہے ؟ کیا تمہاری اتنی حیثیت ہے تم سونے کی اتنی قیمتی "
چین بنوا سکو "۔
جو بھی ہو لیکن یہ میری چین ہے میرے بابا نے مجھے دی ہے "۔ "
نواب صاحب ہنسے تھے انکی ہنسی کی آواز کمرے کے چاروں کونوں میں
گونجی طنز و حقارت سے بھری ہنسی۔

یہ تمہیں ذوالقرنین نے دیا یہ بھی سہی ہے کہ یہ تمہارا ہے پر کیا تم" جانتی بھی ہو یہ تمہارا کیوں ہے"۔ وہ ہنستے ہوئے اب اس بڑے سے فریم کے سامنے کھڑے ہوئے امید کو ان کا انداز عجیب سا لگ رہا تھا لیکن وہ خاموش تھی انکی ہی زبانی سہی پر کچھ تو معلوم ہو جاتا شاید وہ اس چین کے بارے میں بہت کچھ جانتے تھے تبھی ایسے بات کر رہے تھے۔۔

ویسے ذوالقرنین بڑا کمینہ انسان تھا"۔ وہ ایک بار پھر سے ہنسے علی مرزا" بھی مسکرایا اور امید کی رگیں تن گئیں تھیں۔

زبان سنبھال کر مرزا"۔ چیخ حویلی کے کئی حصوں میں گونجی کمرے" کے آس پاس کئی ملازم کنیزیں سائیڈ پر کھڑے اندر کی کارستانی کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ حسین بھی آواز سن کر کمرے سے نکل آیا تھا۔۔

"بڑی ہمت ہے لڑکی تمہاری جو تم ہمارے نام تک آگئی ہمت والی تو ہو گی ہی نا معاذالدین کی بیٹی اور ذوالقرنین کی پرورش جو ہو"۔

امید نے نا سمجھی سے انہیں دیکھا کیا کہنا چاہ رہے تھے وہ۔

"نہیں سمجھی؟ ہم بتاتے ہیں نا"۔ وہ آگے بڑھے اور امید کے بالوں کو مٹھی میں لیکر اسے تصویر کے سامنے لا کھڑا کیا۔

"تصویر میں یہ مسکراتا انسان دیکھ رہی ہو یہ نواب تھے اس حویلی کے معاذالدین ہمارے سگے بھائی اور تمہارا اسگا باپ"۔

وہ ہنستے ہوئے بولے اور امید کا حال ایسا تھا جیسے ابھی آنکھ کھلے گی اور جو نواب صاحب نے کہا وہ اک خواب ہو گا۔ وہ معاذالدین کی بیٹی تھی اس حویلی کی نوابن تو یعنی۔۔۔۔یعنی وہ اپنے بابا کی سگی بیٹی نہ تھی یہ بات ہی اس کے لئے نا قابل یقین تھی کہ وہ اپنے بابا کی بیٹی نہ تھی۔

اب تم یہ بھی سوچ رہی ہو گی ہم تمہیں کیوں یہ ساری حقیقت "
بتارہے ہیں تو وہ اسلئے کہ اب جب ہم جان گئے ہیں تم کون ہو تو مزید جینا
تو تمہاری قسمت میں اب ہے نہیں تو ہم نے سوچا چلو مرنے سے پہلے تم
خود کے بارے میں جان ہی لو"۔

آپ جھوٹ بول رہے ہیں کہانیاں بنارہے ہیں"۔"
جانتی تھی یہ سچ ہے نواب صاحب کیوں بھلا اتنی بڑی بات کہیں گے
لیکن دل ودماغ ماننے کو تیار نہ تھا۔۔

ہاہاہاہا اے لڑکی ہم معمولی لوگوں سے ایسامزاق نہیں کرتے تم بھلے "
معاذ کی بیٹی ہو لیکن تم ذوالقرنین کی بیٹی بھی ہو اور ہمارے لئے معمولی
ہی رہو گی۔ ویسے ایک اور دلچسپ بات بتائیں تمہیں"۔ انہوں نے پھر
سے اس کے بالوں کو زور سے مٹھی میں لیا جس سے اس کے منہ سے
تکلیف کی وجہ سے کراہ نکلی۔

تمہاری زندگی برباد کرنے میں ہمارا بڑا ہاتھ ہے۔ معاذالدین ہمارا سگا" بھائی اور اسکی بیگم اور تمہارے سگے ماں باپ ان کو ہم نے اپنے ہاتھوں سے مارا"۔ امید کو لگا حویلی کی پوری چھت اس پر آن گری ہو بے یقین نظروں سے اس ظالم بادشاہ کو دیکھا۔

ارے اور تو سنو تمہارے بابا یعنی ذوالقرنین کو ہمارے کہنے پر علی مرزا" نے مار دیا۔ تمہارے دونوں خاندان کو ہم نے مارا بے حد بے دردی سے"۔ انہوں نے امید کو زور سے زمین پر پٹخا۔ اس کی مٹھیاں غصے اور نفرت سے بھینچ گئی تھی اندر ایک لاوا ابل رہا تھا۔۔ باہر موجود سب ملازموں نے اندر ہونے والی گفتگو سنی ان کے بیچ میں کھڑے حسین مرزا نے بھی سب لفظ بہ لفظ سنا اس کے اندر کا حال بھی وہی ہو رہا تھا جو اس وقت امید کا تھا۔۔

آپ انتہائی ظالم انسان ہے آپ نواب بننے کے لائق ہی نہیں تھے بلکہ " آپ جینے کے ہی لائق نہیں ہے آپ جیسے ظالم کو معاشرے میں جینے کا کوئی حق نہیں "۔وہ چیختے ہوئے بولی آنسوں نے تیزی سے چہرہ بھگویا تھا۔اس کی بات پر نواب صاحب اور علی مرزا کا قہقہہ ایک ساتھ گونجا تھا۔

تمہارا سفر یہی تک تھا لڑکی "۔"

نواب صاحب نے فریم کے سامنے پڑی تلوار ہاتھ میں لی ابھی وہ اسکی جانب بڑھاتے کہ کسی نے آگے بڑھ کر تلوار کو پکڑ کر روکا تھا۔

امید آپ جلدی جائیں یہاں سے "۔"

تم ہمارے راستے میں رکاوٹ ڈال کر بہت بڑی گستاخی کر رہے ہو " حسین۔ہٹ جاو ایسا نہ ہو آج اس لڑکی کے ساتھ تمہارا ابھی سر قلم کرنا پڑے "۔نواب صاحب نے تلوار پر مزید دباو ڈالا حسین نے بھی اپنی

گرفت مضبوط کی ہاتھ سے خون رسنے لگا لیکن تلوار نہ چھوڑی۔ امید کھڑی ہوئی اور حیرانی سے حسین مرزا کو دیکھے گئی جو اسے بچانے نواب صاحب کے سامنے کھڑا ہو گیا تھا۔

" امید آپ کو یہاں سے جانا ہو گا۔ بابا کا بدلہ لینے کے لئے اس وقت آپ کا جانا ضروری ہے آپ جایئے "۔ امید نے پیچھے کو قدم لئے اندر اک ہلچل تھی خود کو بچانے کے لئے وہ اسکی جان داو پر کیسے لگا لیتی۔ علی مرزا نے آگے بڑھ کر حسین کے ہاتھ تلوار پر سے ہٹانے کی کوشش کی۔

" جایئے امید آپ کو بابا کا واسطہ میرا واسطہ جایئے یہاں کے عوام کو انصاف کی ضرورت ہے جس کے لئے آپ کا بچنا بے حد ضروری ہے آپ جایئے۔ وقت آئے گا ہم دونوں مل کر بابا کا بدلہ لیں گے اور

ظالموں کو انجام تک پہچائیں گے اس وقت آپ جائیے"۔ وہ التجا کر رہا تھا اور امید کو جانا پڑا اس نے باہر کی جانب دوڑ لگادی۔

وہاں موجود ملازموں نے اسے جاتے ہوئے دیکھا لیکن کسی نے نہ روکا شاید وہ بھی اس جنگ میں اب انصاف چاہتے تھے سب ملازموں نے انجان بن کر یہاں وہاں راہ لے لی اور وہ دوڑتے ہوئے حویلی کا بیرونی گیٹ پار کر گئی۔۔

☆ــــــــــــــ☆ــــــــــــــ☆ــــــــــــــ☆

معاذالدین اور مرزا بھائی تھے۔ انکی ایک بہن تھی زرمینہ۔ ان کے والد کے گزرنے کے بعد آنکی آخری وصیت کے مطابق حویلی کی ملکیت کا سارا اختیار معاذالدین کو دیا گیا۔ شروع سے مرزا نے اپنے والد کے

قریب رہنے ان کی خاطر کرنے انکی اطاعت گزاری کرنے کی کوشش کی تاکہ ان کے بعد وہ نوابی کا حق اسے دے دیں لیکن معاذالدین کے نواب بننے پر وہ تلملا کر رہ گئے اندر ہی اندر جلن اور حسد کی آگ ایسی بھڑکی کہ ان کے دماغ میں اپنے چھوٹے بھائی کو مارنے کے خیال آنے لگے۔

انکی بہن زرمینہ بیوہ ہوگئی تو اپنے بیٹے کو لیکر حویلی آگئی۔

ایک دن معاذالدین بیگم کے ساتھ دوسری سرحد پر گئے کئی دنوں بعد رات کی تاریکی میں واپس لوٹے اور مرزا نے انہیں مارنے کا پورا ارادہ کرلیا۔جب وہ اپنے کمرے میں تھے مرزا آئے اور بناجواز ان سے بحث کرنے لگے۔معاذ نے بات رفع دفع کرنی چاہی لیکن مرزا نے اتنا بڑھاوا دیا کہ تلوار ہاتھ میں اٹھالی شور برپا ہوا سب وہاں آئے زرمینہ لڑائی روکنے دونوں کے بیچ خائل ہوئی۔مرزا نے تلوار بھائی کی گردن پر

ٹھان لی۔ معاملہ نہایت سنگین ہوا۔ سب کی آوازوں کے بیچ لمحے کی بھی

دیری کئے ایک ہی جھٹکے میں تلوار معاذالدین کے سینے میں پیوست

کردی تھی زرمینہ نے بھائی کو بچانے بیچ میں آکر بہت روکا اور اس کے

اس طرح معاذ کا ساتھ دینے پر مرزا نے اسے بھی مار دیا۔

نوسالہ علی مرزا اچھی طرح باپ کی فطرت سے واقف تھا اگر انہوں

نے ایک دفع تلوار اٹھالی تو کئی لاشوں کا ڈھے ہونا یقینی تھا اس نے اس

افراتفری میں سب کی نظروں سے بچاتے کھاٹ اٹھایا جس میں وہ ننھا

وجود لیٹا تھا۔ تین ماہ کی ننھی بچی معاذالدین اور نگینہ کی بیٹی۔ وہ اسے لیکر

باہر نکلا سخت طوفانی بارش اندیری رات میں اس کے قدم اڑنگ کیل کی

جانب بڑھے سب لوگ گھروں میں دبکے بیٹھے تھے اس نے وہ کھاٹ

ایک دکان کے سامنے رکھ دیا اور خود چھپ کر دیکھنے لگا کہ کون مہرباں

آکر اس وجود کو نئ زندگی دیتا ہے تبھی حویلی کے راستے سے آتے

ذوالقرنین نے وہاں سے گزرتے اس بچی کو دیکھا اس بچی کے گلے میں موجود چین کو دیکھا وہ جان گئے تھے بچی کون ہے اور حویلی سے آتے حویلی میں ہوتے ہنگامے کی جھلک بھی دیکھ چکے تھے اور پھر انہوں نے اس روتی بچی کو ہاتھوں میں اٹھا کر 'امید' نام سے نواز دیا۔ علی مرزا مطمئن ہو کر حویلی کی جانب چل پڑا۔

حویلی میں سوگ سا ماحول تھا ایک ساتھ کئی قتل ہوئے۔ معاذالدین، نگینہ اور زرمینہ ۔۔اور پھر مرزا نے عوام میں یہ بات پھیلا دی کہ ان کا انتقال اچانک ہوا ہے۔ مرزا زرمینہ کے تین سالہ بیٹے کو بھی مارنے والے تھے کہ انکی بیگم نے حسین کو اٹھا کر سینے سے لگایا تھا۔ وہ بیٹے کی طرح اسکی پرورش دیکھ بھال کرنے لگی ان کا انتقال ہوا جب حسین چھ سال کا تھا اور علی بارہ سال کا۔۔اس سانحے کے کچھ دنوں بعد مرزا کو معاذ کی بیٹی کا خیال آیا تھا وہ کہاں گئی کون لیکر گیا کس نے اسکی مدد کی وہ

نہ جان پائے۔ کئی سالوں تک وہ اس کے لوٹنے کا انتظار کرنے لگے کہ کب وہ آئے اور وہ معاذ کی اس نشانی کو بھی ختم کر دیں لیکن اس کا کچھ پتا نہ چلا پھر انہوں نے امید ہی چھوڑ دی شاید وہ زندہ ہی نہ ہو۔۔۔ان کا رویہ شروع سے حسین کے ساتھ سخت تھا وہ اسے کبھی اپنا بیٹا بنا ہی نہ سکے ان کا بس ایک ہی اکلوتا بیٹا تھا علی مرزا۔۔۔۔

☆__________☆__________☆__________☆

کیا؟؟ مطلب تم۔۔۔ تم ایک نواب ہو"۔"

کنزہ اور زین ساری کارستانی سن کر اس کے سامنے منہ کھولے بیٹھے تھے۔

اب حیران ہونا بند کرو۔مجھے تو فکر ہو رہی ہے حسین کس حال میں "
ہو گا"۔وہ سخت پریشان تھی جب سے آئی تھی اسی کے بارے میں سوچ
رہی تھی۔

تم پریشان نہ ہو۔وہ اپنی بچاو کر لے گا"۔زین نے اسے تسلی دی۔"

اس دوران لائٹ چلی گئی دن کا وقت تھا تو باہر کی روشنی آرہی تھی۔یہ
پہلی بار ہوا تھا ورنہ ارنگ کیل کے علاقے میں آج تک ایک سیکنڈ
کے لئے بھی لائٹ نہیں گئی۔۔

یہ بجلی کیوں چلی گئی"۔"

باہر سے شور کی آواز آنے لگی تینوں باہر آئے تھے

امید نواب صاحب اور بڑے نواب ہمارے علاقے میں آئے ہیں بجلی"
جانے کا حکم بھی ان کا ہے وہ شفیق چچا کی دکان کے پاس چبوترے پر ہیں
اور تمہارا پوچھ رہے ہیں"۔

افضل چچانے اطلاع دی۔ زین اور کنزہ نے ایک ساتھ امید کو دیکھا تھا اسے کوئی ڈر نہیں تھا وہ آگے بڑھی تھی زین اور کنزہ بھی اس کے ساتھ تھے۔ چبوترے پر دو کرسیان تھی جن پر دونوں براجمان تھے امید چبوترے کے نیچے ان کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

کافی بہادر ہو لڑکی ورنہ ہمیں تو لگا تھا تم اپنے گھر میں دبک کر بیٹھ گئی ہو گی"۔ نواب صاحب نے تالی بجاتے ہنستے ہوئے کہا۔

دبک کر بیٹھنے والوں میں سے نہیں ہوں میں مرزا۔ میری رگوں میں" نوابی خون اور بابا کی پرورش دوڑتی ہے اسلئے مجھے کمزور سمجھنے کی غلطی تو آپ ہرگز مت کریں"۔ بابا سہی کہتے تھے اگر انکی بیٹی اپنے پہ آئے تو شیرنی بن جائے۔

بری بات لڑکی رشتے میں ہم تمہارے چچا ہیں اور تم ہمیں نام سے" بلا رہی ہو"۔

کنزہ تم امید کے ساتھ رہنا میں حسین کو لیکر آتا ہوں"۔"
زین نے کنزہ کے کان میں سرگوشی کی

ٹھیک ہے"۔"

وہ وہاں سے کسکا درخت کے ساتھ نواب صاحب اور علی کے گھوڑے بندھے تھے ان کا دھیان اس طرف نہ تھا اس نے جلدی سے ایک گھوڑا لیا اور حویلی کے رستے پر ہولیا رفتار تیز کی۔ حویلی پہنچ کر جلدی سے اندر داخل ہوا۔

حسین کہاں ہے؟"۔ ملازم سے پوچھا"

نواب صاحب کے حکم پر اسے قید خانے میں بند کر دیا گیا ہے ہم اسے " چھڑا نہیں سکتے ورنہ نواب صاحب بہت برا کریں گے"۔

تم فکر مت کرو آج اگر قسمت نے ساتھ دیا تو عوام کو اس ظالم سے "
چھٹکارا مل جائے گا تم سب دعا کرو۔ مہربانی کر کے قید خانے کی چابی
دے دو میں خود اسے نکال دوں گا"۔ ملازم نے اسے دیکھا سوچا پھر چابی
اسے دے دی وہ نواب صاحب کا ملازم تھا اور ایک چابی نواب صاحب
نے اسے دی تھی۔

بہت شکریہ "۔ چابی لیکر جلدی سے تہہ خانے کی سیڑھیاں اترنے لگا"
۔ حسین کے ہاتھ زنجیروں سے بندھے تھے اور نڈھال پڑا ہوا تھا زین
نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ آزاد کیے اور پانی پلایا وہ گہری سانسیں
لینے لگا۔

حسین ! امید کو تمہاری ضرورت ہے "۔ زین نے کہا حسین نے ایک "
ہی سانس میں پانی غٹ کیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

جلدی چلو "۔ دونوں نے باہر کی جانب دوڑ لگا دی۔ "

تم نے ہمیں ٹھکرا کر خود کے ساتھ زیادتی کی ہے کنیز "۔ علی مرزا نے " کہا۔

امید۔۔۔۔۔۔امید نام ہے میرا اور یہ نام ہر گز تمہاری زبان پر " نہیں آنا چاہئے۔اور میں نے خود کے ساتھ زیادتی نہیں کی بلکہ خود کو بد قسمتی سے بچایا ہے "۔ وہ چیخ کر بولی علی مرزا نے غصے سے اسے گھورا۔

تمہارا وقت آگیا ہے لڑکی اپنے ماں باپ کے پاس جانے کا اپنے بابا سے " ملنے کا۔بس ایک وار اور جنگ ختم "۔ نواب صاحب اپنی جگہ سے اٹھے اور چبوترے سے نیچے اترے۔

جنگ تو ابھی شروع ہوئی ہے مرزا "۔ وہ گردن تان کے کھڑی " ہوئی۔ "اور یہ جنگ میری جیت کے ساتھ ہی ختم ہو گی "۔

اسکی بات سن کر مرزا اور علی ایک ساتھ ہنسے تھے۔۔

تم کمزور اکیلی لڑکی ہمیں مارنے کی بات کر رہی ہو"۔"

امید نہ ہی کمزور ہے اور نہ اکیلی۔جب تک میں زندہ ہوں اس"
کے ساتھ کھڑا رہوں گا"۔ حسین کی آواز آئی امید نے اسکی جانب دیکھا
وہ ٹھیک تھا سہی سلامت اس کے سامنے کھڑا تھا یہ اس کے لئے باعث
تسکین تھا۔۔

تم ہم سے غداری کر رہے ہو حسین"۔نواب صاحب کی گرج دار"
آواز ابھری۔

غداری تو آپ نے کی ہے عوام کے ساتھ ،رشتوں کے ساتھ ،اپنوں"
کے ساتھ"۔ حسین نے کہااور امید کے ساتھ کھڑا ہوااس کے ہاتھ میں
تیر کمان بھی تھا۔۔

آپ صرف میرے نہیں پوری عوام کے گناہگار ہے نا جانے کتنے " بے گناہ لوگوں کے ساتھ زیادتیاں کی ان پر ظلم ڈھائے اور اب یہی سب مل کر آپ کو انجام تک پہنچائیں گے "۔

امید نے کہا اور رخ موڑ کر وہاں موجود سب لوگوں کی جانب دیکھا۔

"یہی وقت ہے ان ظالموں سے اپنے ملک کو چھٹکارا دینے کا یہی وقت ہے حق کے لئے لڑنے کا کیا آپ سب اس لڑائی میں میرا ساتھ دیں گے "۔ آنکھوں میں اک آس تھی انتظار تھا سب کی رائے سننے کا۔ فضا میں خاموشی سی چھا گئی نواب صاحب اور علی فاتحانہ مسکرائے۔

ہاں ہم ضرور ساتھ دیں گے۔ ہم اس ظالم نواب کے ظلمت کا نام و" نشان مٹا دیں گے "۔ کچھ لمحوں بعد کئی لوگوں کی آواز گونجی جس نے ان دونوں کی مسکراہٹ غائب کر دی اب لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ امید کے تھی۔

مرزا وقت میرا نہیں آپ کا اور آپ کے بیٹے کا ختم ہوا"۔"

کئی لوگوں نے آگے بڑھ کر ان دونوں کے ہاتھ پاؤں رسیوں سے باندھے مزاحمت کرنے کی بہت کوشش کی لیکن بے سود۔

آج بدلہ پورا ہو گا آزاد کر دو اس سرزمین کو اس ظالم بادشاہ سے"۔"

زین نے تیر کمان امید کی طرف بڑھایا امید نے ہاتھ بڑھا کر تھاما۔امید اور حسین ساتھ کھڑے تھے دونوں کے ہاتھ میں تیر کمان تھے دونوں نے نشانہ بنایا۔امید نے لمحے بھر کے لئے آنکھیں بند کیں فلیش بیک میں بابا کا زخمی خون میں لت پت وجود لہرایا، انکی اٹکتی سانسیں اور پھر تیر کا ان کے سینے میں پیوست ہو جانا، نواب صاحب کا حسین کو بنا غلطی کے کوڑے مارنا، نواب صاحب کے الفاظ سب سین دماغ میں کسی فلم کی طرح دکھتے رہے۔آنکھیں کھولی خون آلود آنکھیں باپ بیٹے پر ٹکی تھی۔

لڑکی ایسی گستاخی مت کرو پچھتاو گی"۔ نواب صاحب نے کہا۔ "

ہر گز نہیں۔ میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتی ہوں اس کارستانی پر "

میں ہر گز نہیں پچھتاوں گی۔ اور سنا تو ہو گا مرزا جب انسان کے اندر

بدلے کی آگ آخری حد تک بھڑک اٹھے تو وہ بھیڑیے سے بھی زیادہ

خطرناک ہو جاتا ہے اسلئے اس وقت مجھ سے کسی بھی بھلائی کی امید رکھنا

فضول ہے"۔

دونوں نے ایک ساتھ نشانہ لیا اور اگلے پل تیر چھوڑ دیا۔

امید کا تیر نواب صاحب کے سینے میں پیوست ہو گیا اپنے بچپن کا ماں

باپ کا بابا کے ساتھ ہوئی زیادتی کا بدلہ لے لیا گیا۔

حسین کا تیر علی مرزا کے سینے میں پیوست ہو گیا بابا کے قتل کا بدلہ لے

لیا گیا۔۔۔

امید زمین پر بیٹھ گئی نم آنکھوں کے ساتھ مسکراتے لبوں سے "بابا" نکلا۔ حسین نے اس کے ساتھ بیٹھ کر اسے دیکھا دونوں کے دل سے بڑا سا بوجھ ہلکا ہوا تھا۔ زین اور کنزہ نے امید کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ بدلہ پورا ہوا۔ اڑنگ کیل کی سرزمین کو دو ظالم نوابوں سے چھٹکارا ملا ظلمت کے بادل چھٹ گئے وہاں موجود سبھی لوگوں نے پرسکون خارج کی اب سب ٹھیک ہونے والا تھا۔۔۔

☆_________☆_________☆__________☆

اگلے دن:

بابا آپ کی بیٹی بہادر ہو گئی ہے آپکی جدائی نے اسے مضبوط کر دیا ہے۔"
اور پتا ہے بابا آپ کا چہیتا ہر معاملے میں میرا ساتھ دیتا ہے۔ میں اب اکیلی نہیں ہوں لیکن آپ کی کمی کوئی نہیں پورا کر سکتا آپ کی کمی عمر بھر محسوس ہوتی رہے گی"۔

بابا کی قبر پر پھول رکھتے آنکھیں بھیگیں۔ وہ حسین کے ساتھ بابا کی قبر پر آئی تھی وہاں کافی وقت گزار کر ان سے ڈھیر ساری باتیں کر کے واپسی کی راہ لی دونوں کارخ حویلی کی جانب تھا وہ پیدل جا رہے تھے گھوڑا ساتھ نہیں لائے تھے۔

اپنے آنسوں پونچھ لیجئے۔ بہت بری لگتی ہے روتے ہوئے"۔ حسین" نے اسکی جانب دیکھ کر کہا۔

اتنی ہی بری لگتی ہوں تو نہ کرتے مجھ سے دوستی"۔ منہ بسورا۔"

بات دوستی کی نہیں رہی۔آپ سے تو عشق ہو گیا ہے"۔ سرگوشی سی"
کی جوامید نے صاف طور پر سنی چہرے پر کئی رنگ آئے تھے نظریں
جھک گئی تھی لبوں کو مسکراہٹ چھو گئی۔
آپکی ہر ادا کمال ہے"۔ حسین نے اس کے ہر رنگ کو غور سے دیکھا"
تھا۔

سنو"۔"

سنائے"۔"

اگر کبھی مجھے چھوڑنے کا موقع آیا تو؟"۔ نا جانے اس نے یہ سوال"
کیوں کیا
آپ سے دستبردار ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"۔"
فوراً جواب دیا گیا جو امید کو احساس خاص سے دوچار کر گیا تھا۔۔

سفر کٹھن تھا لیکن اس سفر میں حسین جیسا ہر قدم پر ساتھ دینے والا ساتھی تھا تو اس کے قدم بھلا کیونکر ڈگمگاتے۔۔

انصاف کی اس جیت کے ساتھ کہانی ختم ہوئی لیکن داستان تو اب بھی باقی ہے ابھی تو کشمیر کے ہر ذرے نے حسین اور امید کی محبت کو پروان چڑھتے دیکھنا ہے ابھی تو حویلی کے درودیوار میں ان کی داستان عشق کے چرچے گونجنے ہیں۔ وقت کے صفحات پلٹتے تاریخ کو یہ بات ہمیشہ یاد رہے گی کہ:

اک حسینہ تھی دلکش مسکراہٹ لئے سبز آنکھوں والی

اک عاشق تھا اس کی ہر ادا پر مر مٹنے والا

☆_________☆_________☆_________☆

[ختم شد]